بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروحِ کلامِ اقبال

تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

☆

مقالہ: پی ایچ ڈی

نگران
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
سابق صدر شعبہ اُردو
یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

مقالہ نگار
اختر النساء
ایسوسی ایٹ پروفیسر
گورنمنٹ فاطمہ جناح کالج برائے خواتین
چونا منڈی لاہور

پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور

انتساب

جہانگیر، مریم اور اویس

کے نام

جو میرا دل اور دست و بازو ہیں

فہرست

		صفحہ
دیباچہ		
باب اول:	شرح نویسی کی روایت	۵۵-۱
باب دوم:	بانگ درا کی شرحیں	۱۵۸-۵۶
باب سوم:	بال جبریل کی شرحیں	۲۳۳-۱۵۹
باب چہارم:	ضرب کلیم کی شرحیں	۲۷۵-۲۳۴
باب پنجم:	ارمغان حجاز (اردو) کی شرحیں	۳۰۵-۲۷۶
باب ششم:	اسرار و رموز کی شرحیں	۳۴۵-۳۰۶
باب ہفتم:	پیامِ مشرق کی شرح	۳۷۵-۳۴۶
باب ہشتم:	جاوید نامہ کی شرح	۴۱۱-۳۷۶
باب نہم:	پس چہ باید کرد اے اقوام شرق —— مع مسافر کی شرحیں	۴۴۰-۴۱۲
باب دہم:	زبور عجم کی شرح	۴۶۶-۴۴۱
باب یازدہم:	ارمغان حجاز (فارسی) کی شرحیں	۴۸۸-۴۶۷
باب دوازدہم:	شروح کلام اقبال کا مجموعی جائزہ	۵۰۱-۴۸۹
کتابیات:		۵۱۰-۵۰۲

دیباچہ

کئی سال پہلے کی بات ہے، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (وفات: ۱۸ جون ۲۰۰۰) میرے ایم اے کے مقالے کا زبانی امتحان لے رہے تھے۔ اس دوران انھوں نے مجھے ہدایت کی کہ ایم اے کے بعد میں کلامِ اقبال کی شرحوں پر پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی کام کروں، اور پھر اس کی تلقین بھی کی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ کیا معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تلقین اس موضوع پر کام کرنے کے لیے محرک ثابت ہوگی۔ بعد میں استاد محترم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے اس موضوع کے انتخاب میں میری مدد فرمائی اور کلام اقبال کی شرحوں پر ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں کام شروع کر دیا۔

زیرِ نظر مقالہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ''شرح نویسی کی روایت'' کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ اقبال کے اردو مجموعوں اور بعض فارسی مجموعوں کی ایک سے زائد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ چنانچہ سات ابواب میں چار اردو مجموعوں (بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغان حجاز (اردو)) اور تین فارسی مجموعوں (اسرار و رموز، پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز (فارسی)) کی شرحوں کا تحقیقی، تنقیدی اور تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ پیام مشرق، جاوید نامہ اور زبورِ عجم کی چونکہ صرف ایک ایک شرح لکھی گئی ہے۔ اس لیے مابعد ابواب میں ان مجموعوں کی ایک ایک شرح کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ آخری باب میں تمام شارحین کی شرح نویسی پر ایک مجموعی نظر ڈالی گئی ہے۔

مقالے میں شارحین کے نام چونکہ ہر باب میں متعدد مرتبہ آئے ہیں اس لیے حوالہ دیتے وقت ان کے مکمل ناموں کے بجائے مخففات اختیار کیے گئے ہیں، مثلاً:

یوسف سلیم چشتی	ــــــ	چشتی
مولانا غلام رسول مہر	ــــــ	مہر
عارف بٹالوی	ــــــ	بٹالوی
آقائے رازی	ــــــ	رازی
ابونعیم عبدالحکیم نشتر جالندھری	ــــــ	نشتر

محمد عبدالرشید فاضل	ـــــــ	فاضل
ڈاکٹر شفیق احمد	ـــــــ	شفیق احمد
اسرار زیدی	ـــــــ	زیدی
فیض محمد فیض لودھیانوی	ـــــــ	فیض لودھیانوی
ڈاکٹر الف د نسیم	ـــــــ	نسیم
الٰہی بخش اعوان	ـــــــ	اعوان
غلام احمد پرویز	ـــــــ	پرویز
سید اصغر علی شاہ جعفری	ـــــــ	جعفری
مقبول انور داؤدی	ـــــــ	داؤدی

کئی سال کی محنت کے بعد یہ مقالہ مکمل ہو رہا ہے تو مجھ پر پاک پروردگار کی ان بے پایاں رحمتوں اور نوازشوں کا شکر لازم ہے کہ جس نے مجھے اس کام کی توفیق عطا فرمائی ورنہ میرے لیے اتنے وسیع موضوع کو سمیٹنا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا آسان نہ تھا۔

مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں بڑے دشوار گزار اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا۔ اُمید تھی کہ مقالہ جلد مکمل ہو جائے گا لیکن پیشہ وارانہ دشواریوں اور بعض گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے تحریری کام میں بار بار رکاوٹ پڑتی رہی۔۔۔ ایک دو مواقع پر تو یہ اندیشہ ہوا کہ اب شاید مقالہ مکمل نہ ہو سکے گا۔ ایسے میں استادِ محترم کی حوصلہ افزائی شاملِ حال نہ ہوتی تو میں واقعی اس مہم میں کامیاب نہ ہو پاتی۔ انھوں نے میری ہمت بڑھائی اور بھرپور رہنمائی کی اور میں ایک نئے عزم و حوصلے کے ساتھ کام میں لگ گئی۔ ان کی ''دستگیری'' نے واقعی ''راہنما'' کا حق ادا کر دیا۔ میرے لیے تو وہ ''چراغِ راہ'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میری خوش قسمتی ہے کہ استادِ گرامی کی نگرانی میں ایم اے اور ایم فل کے بعد میرا تیسرا مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ استادِ محترم نے مختلف موقعوں پر خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے امداد و رہنمائی فرمائی۔ گرانقدر مشوروں سے نوازا اور اپنے ذاتی کتب خانے سے کتب فراہم کیں۔ حقیقت میں ان کا یہ فیضانِ نظر میرے لیے سرمایۂ حیات اور متاعِ بے بہا ہے۔ انھوں نے اپنی خرابیٔ صحت اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود مقالے کو پڑھا اور اس کی اصلاح و ترمیم کی۔ ان کے مشفقانہ اور حوصلہ افزا رویے ہی نے مقالے کی دشواریوں کو آسان بنایا ہے۔ مقالے کی ترتیب و تکمیل میں ان کی بھرپور معاونت کے لیے میں صدقِ دل سے ان کی شکر گزار ہوں۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھے دوستوں کی محبتوں سے کبھی محروم نہیں رکھا۔ زیرِ نظر مقالے کے سلسلے میں ڈاکٹر طاہرہ حسین صاحبہ (سابق پرنسپل گورنمنٹ فاطمہ جناح کالج چونا منڈی لاہور) اور مسز فوزیہ سہیل صاحبہ

(اسسٹنٹ پروفیسر اردو، چونا منڈی کالج) کی گونا گوں اعانت اور تعاون اور ہمدردانہ توجہ سے مجھے یہ مقالہ مکمل کرنے کا موقع ملا۔ اسی طرح مس عاصمہ ظہور صاحبہ (لیکچرار انگریزی، گورنمنٹ کالج جہلم)، مس انصری بیگم صاحبہ (ایسوی ایٹ پروفیسر ریاضی، گورنمنٹ کالج جہلم)، رضیہ باجی، نرگس آپی، مریم ارشد، جنھوں نے مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھا، میں ان سب کی تہ دل سے ممنون ہوں۔

اس کام کے دوران ابا جان اور برادرم گلزار حسین کی قیمتی دعائیں، مریم اور اویس کی شوخیاں، شرارتیں اور معصوم دعائیں، جہانگیر کی لحہ لحہ رفاقت شاملِ حال رہی۔ جہانگیر صاحب نے مقالے کی تکمیل میں بھرپور دلچسپی لی اور کمپوزنگ کے لیے مسودہ لے جانے اور لانے کا کام اپنے ذمے لے کر میری اس مشکل کو آسان بنایا۔ مزید برآں مجھے گھریلو ذمہ داریوں سے دور رکھتے ہوئے تحقیقی کام کرنے کا موقع دیا۔ ان کا خلوص اور دل داری میری ہمت افزائی کا باعث رہی ہے جس کا اظہار تشکر الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں۔

پرل کمپوزنگ سنٹر والے بابر بھائی اور فرحانہ بہن کی ممنون ہوں جنھوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے میرے مسودے کو کمپوز کیا اور ہر ترمیم و اضافے کو بڑی عرق ریزی سے قبول کیا اور کبھی شکایت نہ کی۔ ان کی کوشش سے ہی مقالے کو یہ خوبصورت شکل ملی ہے۔

میں صدقِ دل سے معترف ہوں کہ اقبالیات کے مطالعے میں سالہا سال سے مصروف ہونے کے باوجود میری حیثیت ایک مبتدی سے زیادہ نہیں ہے۔ دراصل اقبال کا مطالعہ آسان نہیں ہے۔ التماس ہے کہ اس مقالے کو میرے اسی اعترافِ عجز کے ساتھ دیکھا اور پڑھا جائے۔

اختر النساء

(ایسوسی ایٹ پروفیسر)

۲۶ اگست ۲۰۰۲ء

باب اول

شرح نویسی کی روایت

- ❖ شرح کا مفہوم
- ❖ شرح نگاری کے اسباب
- ❖ شرح کی اقسام
- ❖ مختلف زبانوں میں شرح نویسی کی روایت
  - ◎ عربی میں شرح نویسی
  - ◎ فارسی میں شرح نویسی
  - ◎ اردو میں شرح نویسی
  - ◎ کلام غالب کی شرح نویسی کے اسباب
  - ◎ دیگر اردو شعرا کے کلام کی متفرق شرحیں
  - ◎ کلام اقبال کی شرح نویسی
  - ◎ تشریح طلب عناصر
  - ◎ کلام اقبال کی شرحیں
- ❖ حوالے

❖ شرح کا مفہوم:

شاعری منطق کی پابند نہیں ہوتی اور نہ اچھا شعر فلسفیانہ استدلال سے پیدا ہوتا ہے' بلکہ شعر اپنی موزونی اور جمال کے ساتھ بے ساختہ اور بے تکلف طبیعت میں ابھرتا ہے۔اس کا سرچشمہ وجدان' تاثر اور جذبہ ہوتے ہیں۔یہ ایک ایسی تخلیق ہے جو۔

از دل خیزد و بر دل ریزد

اس سے دنیا کا ہر انسان مانوس تو ہوتا ہے لیکن اس کے اسرار سے اہل فکر بھی پوری طرح واقف نہیں ہوتے۔

لفظ ''شعر'' شعور سے مشتق ہے' جس کے لغوی معنی جاننا' دریافت کرنا یا کسی باریک چیز کی واقفیت کے ہیں۔(۱) اسے ہم ''شرح'' سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی کسی بات کا علم ہو جانا اور پھر تفصیل سے اس کی وضاحت کرنا۔

شرح عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کی صرفی حیثیت اسم ہے۔قرآن پاک میں ہے:

الم نشرح لک صدرک(۲)

(اے محمدؐ کیا ہم نے تمھارا سینہ کھول نہیں دیا۔)

لفظ ''شرح'' کو مختلف لغات میں درج ذیل مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے:

- ''تفسیر' بیان' اظہار' کسی بات کی تفصیل نہایت وضاحت سے کہنا یا لکھنا' کسی کتاب کی تفسیر یا تشریح لکھنا''(۳)
- ''مفصل بیان کرنا' کھول کر کہنا' تفصیل یا تفسیر بیان کرنا' تصریح کرنا' کسی کتاب کے متن کی تفسیر یا تشریح لکھنا''(۴)
- ''البیان' اظہار' کھول کر کہنا' تفسیر' تشریح' شرح کرنا' تفصیل سے بیان کرنا کسی امر کو کمال وضاحت اور صراحت کے ساتھ کہنا یا لکھنا''(۵)
- ''کھولنے والی چیز' شروح بیان کرنا' کھولنا' آشکار کرنا' جاننا''(۶)
- ''کھول دینا' واشگاف کر دینا' واضح کرنا''(۷)
- ''وضاحت' معنی کھولنا' تفصیل سے بیان کرنا''(۸)

- To Explain a problem, clarify, clearup, decipher, decode, demonstrate, expound, illustrate, interpret, simplify, sortout, spellout, translate, unraval, resolve, teach" (9)
- Interpretation, explanation, expounding, annotation, commentary"(10)

- Explanation, commentary, exegesis, details, exposition"(11)

مندرجہ بالا توضیحات کے مطالعے سے ''شرح'' کے مختلف مفاہیم سامنے آتے ہیں۔ بعض لغات میں ''شرح'' کے لفظی، مجازی، لغوی اور اصطلاحی معانی کو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

- ''کھولنا، کشادہ کرنا، بیان کرنا اور کسی مسئلے کے گہرے مطالب کو کھول کر بیان کرنا'' (۱۲)
- چیرنا پھاڑنا، کھول کر بیان کرنا...... (۱۳)
- لغوی معنی: کھولنے اور کھول کر کہنے کے ہیں۔
- مجازی معنی: وہ کتاب جس میں کسی کتاب کے معانی و مطالب کی تشریح کی گئی ہو'' (۱۴)
- محاورتاً: کتاب کی تشریح کرنا، حاشیہ چڑھانا'' (۱۵)

بعض خیالات بظاہر زیادہ اہم نہیں ہوتے لیکن باطنی اور معنوی قدر و قیمت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے خیالات کے اظہار کے لیے کوئی تو نثر کی زبان استعمال کرتا ہے، کوئی شعر کی۔ جو شخص جس انداز سے اپنے خیالات کی ترسیل بہتر سمجھتا ہے، اختیار کرتا ہے اور انھیں متن کی صورت دیتا ہے۔ بعض اوقات مضمون کی گہرائی، مشکل زبان، خیال کی پیچیدگی اور تشبیہ و استعارے کے استعمال کی وجہ سے متن سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس دقت کو دور کرنے اور تفہیم کے عمل کو آسان بنانے کے لیے شرح سے کام لیا جاتا ہے۔

شرح کیا ہے؟ کسی متن (Text) یا کلام (Discourse) کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کرنا، اسے خود پر واضح کرنا اور ضرورت پڑے تو اُسے بیان کرنا۔ (۱۶) کسی شعر یا عبارت میں پوشیدہ مفہوم اور اصل کیفیت کو یوں کھول کر واضح کرنا جو یہ شعر کہنے کے دوران شاعر کے دل میں موجزن تھی۔ اس شعر سے جو کیفیت شارح کے قلب و دماغ پر طاری ہوئی۔ اُسے روشن اور پُر تاثیر انداز میں پیش کرنا، تا کہ اس کی تفہیم میں آسانی ہو۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

''شرح کا کام کسی خیال کو خود اس خیال کی روشنی میں پیش کرنا ہوتا ہے'' (۱۷)

شعر کی وضاحت اور مکمل تفہیم اسی صورت میں ممکن ہے، جب اس کے سیاق و سباق کو سمجھا جائے اور اس کی خوبی یا خامی قاری پر ظاہر کی جائے۔ اسی طرح شرح نگاری میں شعر فہمی کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔

شرح اپنے ارتقا کے مختلف مراحل میں مختلف طریقوں سے سمجھی گئی ہے۔ کبھی مقدس متون کے معنیاتی ابہام کو حل کرنے اور تفسیر کے اشکال کو سلجھانے کے تحت مگر نازک فن کی حیثیت سے، کبھی عبارت، فن پارے یا تاریخی واقعے کے مرادی معنی کی بازیافت کے راہنما اصولوں کی حیثیت سے، کبھی فن پارے کی تعبیر کردہ علامتی یا معنی کی مختلف سطحوں کے انکشاف کی حیثیت سے (۱۸)۔ شرح بہر حال ایک تشریح و توضیح ہے۔ اس سے ادب کے بعض پیچیدہ مسائل حل ہوتے، کئی عقدے وا ہوتے اور نئے حل دریافت ہوتے ہیں۔ اس سے بعض افکار پر مزید غور کرنے اور انھیں الجھاووں

سے محفوظ رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

ہر موضوع ایسا نہیں ہوتا کہ ہر شخص کی سمجھ میں آ جائے اور نہ ہر شخص اتنی بصیرت رکھتا ہے کہ وہ ہر طرح کی بات سمجھ لے۔اسی لیے ''شرح'' عموماً اس کلام نظم ونثر کی لکھی جاتی ہے جو مشکل اور دقیق ہو۔شرح نگاری کا مقصد اولین بھی کسی شاعر یا مصنف کی نظم ونثر کی تفہیم ہی ہوتا ہے۔شارح کسی موضوع کے ادب پارے سے جو رائے قائم کرتا ہے' اسے اپنے علم وفضل اور وسعت نظر کے سبب' حل طلب مقامات اور مشکلات کو واضح انداز اور سادہ الفاظ میں قاری کے سامنے لاتا ہے۔کسی متن کی جس قدر شرح وبسط کی ضرورت محسوس ہوگی اور کوئی شارح جس قدر زیادہ فہم وبصیرت کا مالک ہوگا اور شرح نویسی کے تقاضے پورے کرے گا' اس کی شرح اسی قدر تفہیم میں مددگار ثابت ہوگی۔شرح نویسی میں شارح کے لیے چند باتوں سے واقفیت ضروری ہے۔

۱۔ شارح' تحریر کے تہذیبی وسیاسی پس منظر سے آگاہ ہو۔

۲۔ وہ لکھنے والے کے ذہنی میلانات' انداز فکر اور رنگ طبیعت کو سمجھے۔

۳۔ جس زبان کی تحریر کی شرح لکھنے کا ارادہ ہو' اس زبان پر اُسے مکمل عبور حاصل ہو۔

۴۔ ان علوم وفنون سے واقف ہو' جو تشریح طلب متن کا موضوع بنے ہیں۔

بعض اوقات کوئی شاعر اپنی بات کہنے کے لیے تمثیلی اور علامتی انداز اپناتا ہے اور اس کے اشعار میں کئی کئی مطالب ومفاہیم پوشیدہ ہوتے ہیں۔عام قاری ان تمام مطالب کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتا مگر شارح اس کے تمام پہلوؤں کو سمجھ جاتا ہے اور اس کے پوشیدہ مفاہیم اور علامتی انداز کی وضاحت کر سکتا ہے۔یوں دیگر قارئین کو تفہیم مطالب میں سہولت ہو جاتی ہے۔اہلِ علم شارحین کی وضاحت اکثر اوقات ہمیں شعر کے ان پوشیدہ مطالب سے روشناس کرتی ہے' جن کی طرف ہمارا ذہن از خود مائل نہیں ہوتا' شارح اپنی تفہیمی صلاحیت کے ذریعے متن میں پوشیدہ مطالب وحقائق کو دریافت کر کے قارئین کے لیے فہم وادراک کے راستے کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔متن کے علامتی اور باطنی وظاہری مفاہیم بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔بقول ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا:

> ''ہر شعر کی توجیہ ضروری نہیں کہ محض ایک ہی ہو۔بعض اشعار پہلودار ہوتے ہیں۔اس وجہ سے ان کی توضیحات بھی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں اور بعض اوقات ایک سے زیادہ تشریحیں درست بھی ہوتی ہیں۔خصوصاً علامتی اشعار کے کئی کئی مطالب نکل آتے ہیں مگر اس سلسلے میں فقط یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ شعر کے الفاظ' مطالب کی تصدیق کرتے ہوں'' (۱۹)

بات انفرادی تفہیم کی ہے۔ چنانچہ شارحین کے مزاج' علم' مطالعے اور زاویہ نگاہ کے اثرات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ایک شارح عالم دین ہے تو اشعار کو مذہبی انداز سے دیکھے گا۔قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی حنفی کی التفسیر المظہری کو علمانے' اس کے عارفانہ اور فقیہانہ مباحث کی بنا پر بہت پسند کیا۔الزمخشری کی توجہ زیادہ تر عقائد اور فلسفے پر تھی لہٰذا قرآن پاک کی تفسیر الکشاف من حقائق التنزیل کی تکمیل میں ان کی توجہ زیادہ تر عقائد کی فلسفیانہ تفسیر پر

رہی- (۲۰) مولانا بحر العلوم نے مثنوی رومی کو علم کلام اور محی الدین ابن عربی کے نقطۂ نگاہ سے پڑھا اور اس کی ایسی شرح لکھی جس میں فتوحات مکیہ کا پورا پورا رنگ منعکس ہے- اس لحاظ سے ان کی شرح معارف دین اور معارف طریقت کی کتاب بن گئی ہے اور یہی اس کی خصوصیت ہے-

کوئی شارح تصوف کے مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے تو وہ اشعار میں معرفت کے پہلو تلاش کرے گا، مثلاً یوسف سلیم چشتی تصوف کے حامی ہیں، اس خاص نقطۂ نظر کے تحت وہ اقبال کے بعض اوقات ایسے اشعار سے بھی تصوف تلاش کر لیتے ہیں، جہاں سرے سے اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی - ایسے رویے کلام شاعر سے زیادہ شارحین و ناقدین کی اپنی ذات کا اعلان ہوتے ہیں-

کسی شارح میں عربی و فارسی کا ادبی ذوق ہے تو وہ اس تناظر میں شعر کی شرح لکھے گا، مثلاً عبدالباری آسی نے مکمل شرح دیوان غالب میں مولانا روم کے فارسی اشعار کے ذریعے مفہوم کو واضح کیا ہے- اسی طرح کوئی شارح فنی و لسانی مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے تو وہ شرح کو فصاحت و بلاغت کے اصولوں کی کتاب بنا دیتا ہے- جیسے نظم طباطبائی کی کلام غالب کی شرح میں فنی و لسانی مسائل پر غیر ضروری بحث ملتی ہے- یہ پھیلاؤ اور طوالت کلام غالب کی تفہیم کے متعلق نہیں، بلکہ اپنی علمیت کا اظہار کرنے کے لیے ہے- اگر کوئی شارح فلسفیانہ مزاج رکھتا ہے تو اس کا انداز شرح فلسفیانہ ہو گا اور شرح کرتے ہوئے وہ فلسفیانہ مباحث چھیڑ دے گا- یہ خصوصیت چشتی کی شرحوں میں دکھائی دیتی ہے-

ایسے رویوں کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ شاعر کی ذات قارئین کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اور شارح اپنی تمام تر علمیت کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے اور شعر کی صحیح تفہیم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے- اس لیے کہ جب شعر کو اس کے حقیقی پس منظر سے الگ کر کے دیکھا جائے گا تو درست معنویت حاصل نہیں ہو سکے گی اور شعر و شاعر کو سمجھنے کے راستے مسدود ہو جائیں گے-

شرح نویسی کا مقبول عام طریقہ تو یہ ہے کہ شرح کرتے وقت کسی شاعر کے ایک ایک شعر کو لے کر ان کے معانی کی وضاحت کی جائے- شمس الرحمٰن فاروقی بتاتے ہیں کہ میں نے:

> ''پہلے ہر غزل کو دس بارہ بار پڑھ کر تمام اشعار کی کیفیتوں اور معنویتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی- جو شعر سمجھ میں نہ آئے ان پر غور کر کے حتی الامکان ان کو سمجھا-'' (۲۱)

ازاں بعد اشعار کی تشریح اس طرح کی جائے کہ تمام مشکل مقامات آسان اور سہل ہو جائیں اور غیر متعلقہ مباحث بھی تفہیم کے عمل میں شامل نہ ہوں- اس لیے ضروری ہے کہ شارح غیر ضروری پھیلاؤ اور طوالت اختیار نہ کرے- شعر کے مرکزی خیال یا سیاق و سباق کے قریب رہ کر مختصر اور جامع شرح لکھے- اسلوب کی سادگی اور انداز بیان کی سلاست سے شرح کے عمل کو آسان بنائے اور کسی طرح کے اسلوبیاتی الجھاؤ میں نہ پڑے- اس لیے لازمی ہے

کہ ''شارح کا علم وسیع' نظر عمیق' راے صائب اور قلم حقیقت نگار ہو۔'' (۲۲)

کسی متن کو جتنی دفعہ پڑھا جائے' نئے معانی سامنے آتے ہیں۔خصوصاً شعری متن کے سلسلے میں یہ بات زیادہ صحیح ہے۔اسی لیے شمس الرحمٰن فاروقی کے خیال میں:

''اشعار کی تفہیم کا کوئی طریقہ کار تو معین نہیں ہے قاری جب کوئی شعر سنتا ہے تو اپنے حال کی مناسبت سے اس کے دل میں جو معنی ابھرتے ہیں وہ انھیں درست خیال کرتا ہے۔اس کی مثال آئینے سے دی گئی ہے کہ آئینے میں صورت کے منعکس ہونے کی کوئی متعین شکل نہیں ہے کہ آئینہ جو بھی دیکھے' ایک معین صورت نظر آئے۔ بلکہ جو بھی دیکھے گا اپنی ہی صورت کا عکس دیکھے گا۔اسی طرح اشعار میں ہے کہ جو بھی سنتا ہے' اپنے انداز کے مطابق سنتا ہے۔اس کے دل میں جو مثال ہے اسی پر شعر کے معنی لیتا ہے۔'' (۲۳)

عقیل احمد صدیقی تفہیم شعر کی دو صورتیں بتاتے ہیں:

''ایک: جس میں شارح اپنے بیان کردہ معنی کو مصنف کا عندیہ قرار دیتا ہے اور اس کی صحت اور تعین پر اصرار کرتا ہے۔دوسری صورت منشاے مصنف سے انکار کا ہے۔'' (۲۴)

تشریح کی دوسری صورت کے متعلق شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

''بنیادی سوال یہ نہیں کہ مصنف کا عندیہ کیا ہے؟ بنیادی سوال یہ ہے کہ متن کیا کہتا ہے؟ لہٰذا معنی میں کثرت کے اصول سے متن پر ضرب نہیں پڑتی۔متن کو مصنف کا منشا نہیں بلکہ عمل سمجھنا چاہیے'' (۲۵)

شارحین جو مفاہیم بیان کرتے ہیں' وہ متن کے معنی ہی ہوتے ہیں۔'' شارح بطن شعر سے معنی کے لا متناہی گہر نکال کر الگ خالی بطن اس امید پر قاری کے حوالے کرتا ہے کہ وہ خود مزید غوطہ پیمائی کرے'' (۲۶)

یوں ایک متن کئی معانی کا حامل ہو سکتا ہے۔متن میں معنی یا معلومات کی کثرت اس کی خامی نہیں' خوبی ہے۔جتنی معنی کی پرتیں ہوں گی' متن اتنا ہی معنی خیز ہوگا۔بقول شمس الرحمٰن فاروقی ''متن وہی اچھا ہے جس میں قرینے کثرت معنی کے ہوں' نہ کہ قلت معنی کے'' (۲۷) شارح اپنی بساط کے مطابق متن کی معنویت دریافت کرتا ہے۔یہ ہو سکتا ہے کہ شعر کہتے وقت شاعر کا ارادہ اور ہو اور اس شعر کی تشریح کرتے وقت شارح کا اور۔بالکل اسی طرح اگر کسی متن میں سیاسی رسماجی معنی نکل سکتے ہیں تو کیوں نہ نکالے جائیں......سخن فہمی کا فرض ہے کہ اس متن کی یہ صفت بیان کی جائے۔(۲۸)

ادب میں شرح نویسی کی ضرورت واہمیت سے انکار ممکن نہیں۔کسی ادب پارے کی تفہیم کے لیے شرح' لغت سے بہتر مدد بہم پہنچاتی ہے۔یہ ایک ایسا ذریعہ ہے' جس میں کسی عبارت کے لغوی معانی کے علاوہ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس سے مصنف یا شاعر کی کیا مراد ہے اور وہ کیا بات پیش کرنا چاہتا ہے۔گویا شرح کے ذریعے کسی متن کی پیچیدگی اور دشواری کو دور کرنے کی سعی کی جاتی ہے' اس کے پوشیدہ گوشے نمایاں کیے جاتے ہیں اور متن کو قابل فہم بنایا جاتا ہے۔

چنانچہ شرح کی' ہر دور میں ضرورت پیش آتی ہے- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''مولانا حالی جیسے جید عالم اس بات کا ذکر فخر سے کرتے ہیں کہ میں اہم شعرا کا کلام شروح کی مدد سے مسلسل دیکھتا رہتا تھا- اگر حالی جیسے عربی اور فارسی کے عالم کو شرحوں کے مطالعے کی ضرورت پیش آتی تھی تو عام اساتذہ یا طلبا ان سے استفادہ کرنے سے محروم کیوں رہیں- ضروری ہے کہ بڑے بڑے شعرا کے کلام کی شرحیں اہلِ علم سے لکھوائی جائیں اور ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے-''(۲۹)

❖ <u>شرح نویسی کے اسباب:</u>

شرح نگاری کے تقاضے اور اسباب مختلف ہو سکتے ہیں جن کے تحت شرحیں لکھی جاتی ہیں-

شرح عموماً اس کلام نظم و نثر کی لکھی جاتی ہے جو مشکل اور دقیق ہو اور شرح نگاری کا یہی بڑا سبب ہے یعنی متن کی مشکل یا پیچیدگی کی گرہ کشائی- تاکہ عام قارئین کے استفادے کی صورت پیدا ہو سکے- شارح جسے بہتر اور اپنے تحقیقی مطالعے کا حاصل سمجھتا ہے' اسے عوام تک پہنچانا بھی چاہتا ہے- لیکن بعض اوقات مصنف یا شاعر اپنی تحریر کی پیچیدگی کے باعث خود ہی اس کی شرح لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے- اس کی کئی مثالیں موجود ہیں' مثلاً محمد اکبر الہ آبادی نے عربی میں الاصول الاکبریہ (علم صرف) تصنیف کی' پھر شرح الاصول الاکبریہ کے نام سے اس کی شرح بھی خود لکھی (۳۰)- نواب سید صدیق حسن خان نے فتح البیان فی مقاصد القرآن (تفسیر قرآن) تحریر کی- پھر خود اس کا اردو ترجمہ ترجمان القرآن بلطائف البیان کے نام سے کیا' جو ناتمام رہا' جسے بعد میں ذوالفقار احمد صدر الصدور بھوپال نے مکمل کیا- (۳۱) سیدہ عائشہ باعدنیہ نے الفتح المبین فی مدح الامین کے نام سے اپنے قصیدے کی شرح لکھی- (۳۲) حاجی ملا ہادی' قاچاری دور کے ایک مشہور عالم تھے- انھوں نے حکمت اور منطق پر ایک طویل نظم لکھی' پھر خود ہی اس نظم کی شرح کی- یہ شرح دو حصوں میں ہے- (۳۳)

اردو شاعری میں غالب' مشکلات کا استعارہ ہے اور مشکل پسندی اس کا بنیادی رویہ ہے- ان کے دورِ اول کے اشعار جو پیچیدگی فکر' نازک خیالی اور استعارہ در استعارہ کے نمونے ہیں' مشکل نہیں' مبہم ہیں- ممکن ہے کوئی شعر ایک قاری کے لیے اس لیے مشکل ہو کہ وہ اس کے الفاظ کے معنی نہیں جانتا' محاورے سے بے خبر ہے یا اس میں مستعمل تلمیح کی طرف اس کی نظر نہ گئی ہو- لیکن دوسروں کے لیے وہی شعر آسان ہو' مثلاً:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

شعر میں کچھ تو ابہام ہے اور غالب نے تلمیح سے بھی کام لیا ہے- اگر تلمیح صاف ہو جائے تو ظاہری معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں- ایک اور شعر:

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

قاری کو اگر ''جگر تشنہ'' کے صحیح معنی (بہت پیاسا) معلوم ہو جائیں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔

غالب اس لیے مشکل گو تھے کہ انھوں نے مروجہ اسلوب سے ہٹ کر ایک پیچیدہ اسلوب اختیار کیا' جو اس وقت مقبول نہ تھا۔ انھوں نے یہ اسلوب تقلیدِ بیدل میں اختیار کیا۔ غالب نے بہت کم عمری میں بیدل کا مطالعہ کیا' ان کا اثر قبول کیا اور ان کے دلدادہ ہو گئے چنانچہ: ''بیان کی پیچیدگی کے سبب غالب بھی مجبور ہوئے کہ وہ اپنے ہی بعض اشعار کی شرح بیان کریں۔'' (۳۴)

احباب کے کہنے پر اپنے بعض اشعار کا مطلب' بعض الفاظ کی تشریح اور بعض تراکیب کی وضاحت خطوط میں کر دی تھی اور بے شک مرزا کی اس وضاحت سے کچھ مشکلات حل بھی ہو گئیں' مگر مسئلہ پورے دیوان کا تھا جس کو سمجھنا اور سمجھانا آسان نہ تھا۔ چنانچہ مختلف شارحین نے اس ضرورت کے پیش نظر کلام غالب کی شرحیں لکھیں۔

دیگر اردو شعرا میں سے مومن' ذوق' درد' میر' اور اکبر الہ آبادی کے کلام کی شرحیں لکھی گئیں۔

اقبال نے ہمیں زندگی کا ایک مربوط اور منظم فلسفہ دیا اور اس فلسفے کے اظہار و ابلاغ کے لیے مروجہ الفاظ اور اصطلاحات کو ایک نئے اور وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا۔ یہ باتیں اردو کے عام قاری کے لیے بالکل نئی تھیں اور اسے کلام اقبال کی روح تک پہنچنے میں دشواری پیش آئی۔ پھر اقبال نے مختلف علوم سے واقفیت کی وجہ سے نئے نئے اسالیب بیان اور نادر تراکیب ایجاد کیں اور اس طرح اپنے کلام کو مشکل بنا دیا۔ ان کی شاعری میں اسلامی تاریخ اور قدیم و جدید فلسفے کی بیشتر روایات بھی سما گئی ہیں۔ اسلوب شعر اور فکر و فلسفے کی اس آمیزش نے کلام اقبال کو ہر سطح کے قاری کے لیے قابلِ فہم نہیں رہنے دیا۔ شارحین نے ان مشکلات کا سراغ لگایا اور مقدور بھر انھیں حل کرنے کا موثر طریقہ اختیار کیا۔ بقول عقیل احمد صدیقی: ''اقبال فلسفیانہ معنویت کے سبب شارحین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں'' (۳۵)

مرزا غالب کی طرح اقبال بھی اپنے کلام کے پہلے شارح ہیں۔ انھوں نے اپنے خطوط میں اپنے کلام کے بعض حصوں کی وضاحت کر دی ہے۔

بعض متون ہماری درس گاہوں میں بطور نصاب شامل ہیں۔ اساتذہ اور طلبا کو نصاب میں شامل ان تحریروں کو سمجھنے اور ان کا مفہوم پانے کے لیے شرحوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ طلبا اور مبتدیوں کی ضرورت کے پیش نظر مختلف نثر نگاروں کی نثری تحریروں اور شعرا کے کلام کی شرحیں لکھی گئیں۔ نصابی و تدریسی ضرورت کی خاطر شروع میں شعرا اور مصنفین کے حالات و فن پر تنقیدی مضامین شامل کیے جانے لگے۔ اکثر شارحین مشکل الفاظ کے معنی یا حل لغات تحریر کرتے اور پھر شرح لکھتے ہیں' تاکہ درس و تدریس میں سہولت رہے۔

مثنوی مولانا روم عام مطالعے کے علاوہ نصاب درس و تدریس میں شامل رہی تو اس تدریسی رجحان کے

زیر اثر مثنوی کے اسرار و معارف کی پردہ کشائی کی گئی اور اس کی لفظی مشکلات کی طرف توجہ دی گئی۔ یوں اس کے شارح اور فرہنگ نویس کثیر تعداد میں سامنے آئے۔

باغ و بہار اور فسانۂ عجائب نصاب میں شامل رہی ہیں طلبا اور اساتذہ کو ان کے بعض الفاظ و تراکیب سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی۔ رشید حسن خان نے طلبا کے استفادے کے لیے ان کے متون کو مرتب کرتے ہوئے الفاظ و تراکیب کی تشریح کردی ہے۔ اب اساتذہ کو پڑھانے اور طالب علموں کو پڑھنے میں بہت آسانی ہوگئی ہے۔ (۳۶)

شارحین غالب کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنھوں نے اردو خواں طلبا کی ضروریات کی خاطر دیوان غالب کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان شارحین میں عبدالعلی والہ، شوکت میرٹھی، نظم طباطبائی، سعید الدین، جوش ملسیانی، ملک عنایت اللہ نشتر جالندھری، احسان دانش اور غلام رسول مہر شامل ہیں۔ ان شارحین نے کلام غالب کی مشکلات اور الفاظ و محاورات کی تشریح نہایت تفصیل سے کی ہے۔

علامہ اقبال کو اشعار و افکار غالب سے بڑا شغف تھا۔ غالب کے بعض اشعار کو سمجھنے کے سلسلے میں انھوں نے اپنے اساتذہ اور معاصرین سے رجوع کیا، مثلاً سید ذکی شاہ کی روایت ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے بیان کی ہے:

''ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ مرزا غالب کے ایک شعر کی شرح پوچھی۔ والد صاحب (مولانا سید میر حسن مرحوم) نے کئی صفحے لکھ کر بھیجے، کچھ معلوم نہیں وہ کیا ہوئے......'' (۳۷)

علامہ اقبال کے خطوط میں بھی اس طرح شہادتیں موجود ہیں، مثلاً سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھا:

''مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمتہ للعالمینے ہم بود (۳۸)

علاوہ ازیں اگر کسی شخص کو اشعار غالب کو سمجھنے میں دقت پیش آئی تو وہ علامہ سے رجوع کرتا۔ ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر کو ''جب کبھی غالب کے کسی شعر کے سمجھنے میں دقت پیش ہوئی علامہ اقبال کی طرف رجوع کیا اور مشکل حل ہو گئی۔'' (۳۹) گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانہ (تدریس) میں ایک بار صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب کو غالب کا ایک شعر سمجھنے میں دشواری پیش آرہی تھی (شعر یہ تھا):

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے

خیال آیا کہ علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں ایک حوالے سے اس شعر کی تشریح کی ہے لہٰذا ان سے رجوع کرنا چاہیے۔ چنانچہ کلاس میں جانے سے پہلے صبح ہی صبح علامہ اقبال کے ہاں حاضر ہوئے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ علامہ نے جواب میں فرمایا اس شعر کی تشریح تو میں نے جاوید نامہ میں کی ہے۔ صوفی تبسم صاحب نے عرض کیا کہ اسی لیے تو

حاضر ہوا ہوں، ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں...... علامہ نے اشعار پڑھے...... علامہ کے اشعار پڑھنے کے انداز ہی سے صوفی صاحب کی الجھن رفع ہوگئی۔ (۴۰) مولانا غلام رسول مہر کی نوائے سروش بھی اسی ضرورت کے پیش نظر لکھی گئی۔

کلامِ اقبال کی شرحوں کا بھی ایک معقول جواز اسی محرک میں پوشیدہ ہے۔

اکبرالہ آبادی جو ایک مزاحیہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مصلح اور ایک فلسفی بھی تھے۔ ان کے کلام میں فلسفیانہ گہرائی اور عارفانہ گیرائی موجود ہے۔ ان کا کلام بھی بعض سطحوں پر داخلِ نصاب ہے۔ چنانچہ طلبا کی اس ضرورت اور مشکل کے پیش نظر یوسف سلیم چشتی نے کلامِ اکبر کی شرح (۴۱) لکھی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی شعر شور انگیز (اشعارِ میر کی تشریح پر مبنی) چار جلدوں پر محیط ہے۔ جسے انھوں نے طلبا و اساتذہ کی سہولت کی خاطر تحریر کیا ہے۔ تاکہ طالب علم میر کے پورے شعری مرتبے اور کردار سے واقف ہو سکیں اور اساتذہ و علمائے ادب، کلاسیکی ادب پر نئی نظر ڈالنے کی ترغیب حاصل کریں۔ (۴۲)

شرح نویسی کا ایک سبب زاویہ نگاہ کی نئی جہتوں کا اظہار ہے۔ بعض اشعار پہلو دار یا پیچیدہ ہوتے ہیں۔ جن کا ایک ہی مطلب نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی توضیحات ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں۔ علامتی اور ذومعنی اشعار کے کئی مطالب ہو سکتے ہیں۔ شاعر کے اپنے ذہن میں تو ایک ہی مفہوم ہوتا ہے، جسے وہ شعر میں سموتا ہے۔ قارئین کے نزدیک اس میں مختلف معانی و مفہوم کی گنجایش رہتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے الفاظ میں:

''ادب میں سخن فہمی کی کئی سطحیں ہیں...... ہوسکتا ہے کہ ایک ہی تہہ دار یا پہلو دار شعر مختلف اوقات میں ایک ہی قاری کے لیے یا ایک ہی وقت میں مختلف قاریوں کے لیے متعدد معانی کا حامل قرار پائے۔ ایک بلند شعر اپنے اندر ایمائی کیفیتوں اور جمالیاتی دلالتوں کا ایک سمندر پنہاں رکھتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس بحر میں غوطہ زن ہو کر کوئی غواص موتی، کوئی صدف...... حاصل کرے۔ بات اپنے اپنے ظرفِ علم اور...... ذوق کی ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شعر کے الفاظ سے ایک ادراک ذہن نے وہ مفہوم اخذ کر لیا جس کا شعور شاید صاحبِ شعر کو بھی نہ ہوا تھا۔ شعری تجربہ اور اس کے اظہار میں اکثر مکمل ہم آہنگی نہیں ہو پاتی۔ اس نئی شعری تخلیق کی توضیح و تفسیر میں اختلاف کی گنجایش باقی رہتی ہے۔'' (۴۳)

زمانی بُعد سے بھی کسی ادب پارے میں نئی معنویت کے پہلو نکلتے ہیں۔ ''ہر عہد زمانہ گذشتہ کے ادب کو اپنے طور پر پڑھتا ہے اور اس میں نئی خوبیاں اور نئی معنوتیں دریافت کرتا ہے۔'' (۴۴) غالب کی غزل میں پہلو داری ایسی غضب کی ہے کہ اکثر اشعار کے کئی کئی مطالب نکلتے ہیں اور ہر شخص اپنی ذہنی استعداد کے مطابق اس سے لطف اٹھاتا ہے مثلاً آغا باقر (۴۵) اور صاحبزادہ احسن علی خان (۴۶) کے ہاں کلامِ غالب کے نئے مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔

اقبال بھی اگرچہ اپنے دل کی بات رمز و کنایہ کی زبان میں کہتے ہیں۔ ان کے اشعار میں تہہ داری اور معانی کی وسعت ہے لیکن اقبال کے ہاں: ''مختلف تعبیر کی گنجایش کم سے کم ہے اس کا سبب ان کے افکار کا نظم و ضبط ہے اور مرکزی

خیال کا ارتباط و آہنگ'' (۴۷)

اقبال کے بعض اشعار میں ایک جہان معنی آباد ہوتا ہے' ان کے اشعار اور مصرعوں میں حقائق و معارف جلوہ افروز ہوتے ہیں ایسے اشعار اور مصرعوں کی شرح مختلف فیہ ہے۔ مثلاً بال جبریل کے ایک شعر۔

محمدؐ بھی ترا' جبریل بھی' قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا

تشریح میں پاک و ہند کے ناقدین نے نکتہ آفرینیاں کیں۔ حرف شیریں پر خاص توجہ تھی اور اس ترکیب کی تشریح میں بہت ہی فکر انگیز مباحث سامنے آئے۔ فنکار کے تخلیقی تحت الشعور تک رسائی کی کوشش کی گئی۔ اقبال کے اور بھی بہت سے اشعار کی وقتاً فوقتاً اس طرح کی تشریح کی جاتی ہے جن میں شارح اپنے ذہن رسا کی مدد سے لفظوں کے بین السطور پوشیدہ مفہوم کی بازیافت کرتے رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ ان کے پورے کلام اور پوری فکر پر بھرپور نظر ڈالی جائے۔

چودھری مظفر حسین نے اقبال کے زرعی افکار کے عنوان سے ایک نئے موضوع کی نشان دہی کی ہے اور کلام اقبال کو زرعی امور و مسائل کے سیاق و سباق میں دیکھا ہے۔ مصنف کے بقول: ''دور حاضر میں...... بعض دانشوروں کی فکری رہنمائی میں زرعی ترقی میں بڑی مدد ملی ہے...... اسی طرح علامہ اقبال کے افکار کو مشعلِ راہ بنا کر ہم زرعی ترقی کی راہ ہموار کر سکتے ہیں'' (۴۸)

شارحین کی بیان کردہ اس نوع کی شرح کے معنی و مفاہیم میں اختلاف ممکن ہے اور اعتراض بھی۔ ایک شارح اگر شعر کا مفہوم بیان کرتا ہے تو دوسرا شارح اس میں تنوع اور وسعت پیدا کرنے کے لیے اس روش سے ہٹ کر کوئی نیا نکتہ پیدا کرتا ہے یا پہلے مفہوم کو رد کرتے ہوئے اس پر کوئی اعتراض اٹھا دیتا ہے۔ اس نوعیت کی شرحیں الجھاؤ کا باعث بنتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ شارح دو چار شرحوں کے تقابلی مطالعے سے آسانی سے اپنی شرح تیار کر لیتا ہے۔ کبھی کسی بات پر کسی شارح سے اتفاق کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو قبول کر لیا اور کبھی کسی بات سے اختلاف کرتے ہوئے مفہوم پر اعتراض جڑ دیا۔ کبھی سابقہ تشریحات اپنے الفاظ میں نقل کر کے شرح تیار کر لی (۴۹) ایسے شارحین میں تنقیدی بصیرت اور بالغ نظری اس درجہ نہیں ہوتی کہ وہ مثبت تنقید کر سکیں یا اعتراضات کا شافی جواب دے سکیں۔ کلام غالب کی بعض شرحیں اسی نوعیت کی ہیں مثلاً نظم طباطبائی کی شرح کے جواب میں بیخود دہلوی نے مراۃ الغالب لکھی اس کے جواب میں بیخود موہانی نے گنجینۂ تحقیق تحریر کی' وجاہت علی سندیلوی کی نشاط غالب بھی اسی الزامی جوابی رویے کی عکاسی کرتی ہے۔

شرح نویسی کا ایک اور محرک کسی فن کار سے ذاتی یا ذہنی قربت بھی ہے۔ بالفاظ دیگر اس فن کار کے حلقۂ مطالعہ کو وسیع تر کرنے کا شوق ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس تحریر سے استفادہ کر سکیں۔ بعض اسلاف کے ہاں از راہ عقیدت یہ رجحان رہا ہے۔

یادگار غالب کلام غالب کی شرح نہیں لیکن یہ جزوی طور پر شرح کے مقاصد پورے کرتی ہے۔مگر اس کا ایک بنیادی محرک حالی کی غالب سے ارادت مندی ہے۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی محاسن کلام غالب (۵۰) باقاعدہ شرح نہیں لیکن بجنوری نے محض ذاتی دلچسپی کی بنا پر مرزا غالب کے بہت سے منتخب اشعار کے نکات و معنی کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔آغا محمد باقر بھی غالب کے عقیدت مندوں میں شامل ہیں۔بیان غالب (۵۱) میں کلام غالب پر شارح کی نظر بھی تنقیدی نہیں عقیدت یا تحسین کا پہلو رکھتی ہے۔لکھتے ہیں:

''نہ میں غالب کو کسی خاص نقطۂ نظر سے سمجھنے کا دعویدار ہوں۔میں تو غالب کے دلدادوں میں سے ایک دلدادہ ہوں اور ان کے کلام کو روحانی مسرت اور قلبی تسکین کا بہترین ذریعہ خیال کرتا ہوں''(۵۲)

غلام احمد فرقت کاکوروی نے غالب کے چند اشعار کی مزاحیہ شرح لکھی (۵۳) جو غالب سے ان کی وابستگی کا ثبوت ہے۔

بعض شارح شاعر کے خیالات کو الفاظ کی بجائے رنگوں اور خطوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔مثلاً عبدالرحمٰن چغتائی نے مرقع چغتائی اور نقش چغتائی میں رنگوں اور خطوط کی مدد سے غالب کے طرزِ فکر کی وضاحت کی ہے۔یہ شرح عام نثری شرحوں سے ایک لحاظ سے بہتر ہے کہ شارح جب کسی کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کے ذہن میں خیالات الفاظ کی صورت میں نہیں بلکہ تصویری صورت میں آتے ہیں۔چغتائی نے غالب کے اشعار کو وسیلہ بنا کر غالب کے ذہن رسا تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ اثر لکھنوی نے میر کے منتخب اشعار کی شرح مزامیر (۵۴) کے نام سے لکھی۔لیکن اس میں تنقید سے زیادہ عقیدت سے کام لیا گیا ہے۔(۵۵)

اقبال کے شارحین میں سے یوسف سلیم چشتی کو بھی اقبال سے دلی وابستگی تھی لہٰذا انھوں نے:''ان کے کلام کی نشر و اشاعت کو.....اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیا.....''(۵۶) وہ خود کو اقبال کا وکیل اور شارح سمجھتے ہیں (۵۷)۔کلام اقبال کی شرحیں علامہ سے ان کی والہانہ عقیدت کا اظہار ہیں۔

مولانا مہر کو بھی علامہ سے بڑی عقیدت تھی۔ایک جگہ لکھتے ہیں:''جن بزرگوں کے کلام کی مزاولت میری زندگی کا محبوب ترین مشغلہ رہی'ان میں اقبال کا درجہ سب سے بلند نہیں تو کسی سے فروتر بھی نہیں''(۵۸)

شرح نویسی کے اسباب میں ایک اور بھی عمل کارفرما نظر آتا ہے اور وہ ہے علمی و ادبی معیار میں کمی۔جب مذاق سخن کم ہو جائے اور قارئین یا عوام کی علمی پس ماندگی بڑھ جائے'تو کسی فن پارے کے اصل مفہوم کے ابلاغ کے لیے شرح کی ضرورت پڑتی ہے۔برعظیم میں فارسی و عربی کا ذوق دن بہ دن کم ہوتا جا رہا ہے۔شعرا کے اشعار' خیال کی پیچیدگی اور فکری عناصر کی موجودگی کے باعث سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔مولانا اشرف علی تھانوی نے دیوان حافظ اور مثنوی مولانا روم کی شرحیں لکھیں'تو ان کے پیش نظر فارسی زبان کے ہندستانی قاری تھے' جو بتدریج فارسی زبان سے بے خبر ہوتے جا رہے تھے۔

ایسی شرحیں افادۂ عام کے لیے لکھی جاتی ہیں۔اس سے کوئی مالی منفعت یا مالی مفاد پیش نظر نہیں ہوتا۔شارح

اپنے شوق سے اسے خدمت سمجھ کر کرتا ہے۔

غالب کا بیشتر کلام فارسی میں ہے اور اردو کلام میں بھی فارسی کو غیر معمولی دخل ہے۔طلبا' غالب کے محاورات و الفاظ کو سمجھ نہیں سکتے ۔شارح ان کی مشکل آسان کرتا ہے۔ایسی شرحیں مشکل الفاظ کے معنی بتاتی ہیں' مبتدی کو شعر فہمی میں مدد دیتی ہیں اور ذوق شعری کی پرورش کرتی ہیں۔آغا باقر کی شرح اسی زمرے میں آتی ہے۔کلام اقبال کی شرحوں کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

پبلشر حضرات کاروباری مقاصد کے لیے شرحیں لکھواتے ہیں' مثلاً شاداں بلگرامی اور مولانا غلام رسول مہر نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ان کی شروح تاجر کتب کی فرمائش کا نتیجہ ہیں۔مفاد پرست ناشر مالی منفعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم معاوضہ دے کر غیر معیاری شرحیں لکھواتے ہیں اور جس فکری پس منظر کے لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے' شارح اس سے بھی جی چراتے ہیں' سطحی انداز اپناتے اور بیشتر نقل نویسی سے کام لیتے ہیں۔

قریشی بک ہاؤس لاہور نے منتخب شرح دیوان غالب کے نام سے بطور گائیڈ برائے طلبا پنجاب و پشاور یونی ورسٹی شائع کی۔یہ شرح بمطابق نام منتخب اشعار کی شرح ہے۔پروفیسر طفیل دارا کی شرح کلام غالب میں صرف ردیف ''ن'' کی مختصر شرح کی گئی ہے۔(۵۹)

کلام اقبال کی بعض شرحیں بھی اسی نقطۂ نظر کے تحت وجود میں آئیں' مثلاً نریش کمار شاد کی آواز اقبال' شرح بانگ درا بھی پبلشر کی ضرورت کے لیے شائع کی گئی ہے(۶۰)ایسی شرحیں پبلشر کے لیے تو منافع بخش ہوتی ہیں لیکن بعض اوقات طلبا کی راہنمائی کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔

❖ شرح کی اقسام

شرح نویسی' نقد و انتقاد سے الگ ایک میدان ہے۔یہ ایک جامع کام ہے'اس کی مختلف حدود' اقسام اور پہلو ہیں جن سے کسی متن میں موجود مشکلات' پیچیدگی اور ابہام کو دور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) تفسیر
(۲) حاشیہ نگاری
(۳) تعلیقات
(۴) تراجم
(۵) فرہنگ

◎ تفسیر:

اصطلاحاً تفسیر سے مراد کسی تحریر کے مطالب کو سامعین کے لیے قریب الفہم کر دینا ہے۔تفسیر کے لغوی معنی ظاہر

کرنا' کھول کر بیان کرنا یا بے حجاب کرنا ہے- لفظ تفسیر در حقیقت مذہبی صحیفوں کی تشریح و توضیح کے لیے استعمال ہوتا ہے- دنیائے اسلام میں قرآن کی شرح مفصل اور اس کے ظاہری معنی بیان کرنے کو "تفسیر" کا نام دیا گیا ہے- (۶۱)

تفسیر قرآن کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے شروع ہو گیا' مفسرین صحابہ کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن ان کی تفسیری روایت کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو انھوں نے رسول اکرمؐ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سُنا یا جس آیت کے سبب نزول سے خود واقف تھے-

صحابہ کرامؓ کے گروہ میں سے دس صحابہ مفسر مشہور ہوئے ہیں' خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ) حضرت عبداللہؓ بن مسعود' حضرت ابوعبداللہ بنؓ عباس' حضرت ابیؓ بن کعب' حضرت زیدؓ بن ثابت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر' حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُم المومنین حضرت ام سلمیٰؓ بھی قرآن مجید کے معارف و مطالب اور تفسیر بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں- (۶۲)

تفصیل کے لیے: مختلف زبانوں میں شرح نویسی کی ذیل میں 'تفسیر' کے تحت دیکھیے:

◎ حاشیہ نگاری:

شرح نویسی میں متن کے معنی کی وضاحت کا ایک اور طریقہ حاشیہ نگاری یا حواشی یا فٹ نوٹ لکھنا ہے- شرح نویسی میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا- یہ دراصل کسی کتاب کے متن کے کسی کونے یا کنارے پر یا پاورق میں ایک جدا تحریر ہوتی ہے' جس میں حسب ضرورت مشکل الفاظ و عبارات کی تشریح' کسی تلمیح یا کنایہ کا تذکرہ' کسی شخص یا مقام کا ذکر' متن کے کسی لفظ' علامت' ملک یا اقتباس کی تشریح و توضیح ہوتی ہے اور مفصل معلومات دستیاب ہوتی ہے' حواشی میں شارح از خود یا کوئی تیسرا شخص متن کے بعض پہلوؤں پہ خیال آرائی کرتا ہے (۶۳) جس سے متن کی تخلیق کا منظرنامہ سامنے آ جاتا ہے-

محقق اپنی تحریروں میں حواشی سے کام لیتے ہیں جن سے ایک تو مصنف کی بعض مشکلات واضح ہو جاتی ہیں- تحریر کی بعض تسامحات اور اغلاط کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے- اس حقیقی صورتحال کی وضاحت سے قاری کے لیے کوئی الجھن نہیں رہتی- تحریر کا پایہ استناد بڑھ جاتا ہے اور تفہیم متن میں آسانی ہو جاتی ہے-

عربی میں تفاسیر قرآنی پر حاشیہ لکھنا علما کا محبوب مشغلہ رہا ہے' ادبی کتب بالخصوص درسی کتب پر حواشی و توضیح' تفصیل و استدلال کے لیے کتاب کے باہر لکھے جاتے ہیں-

ابو محمد سحر نے انتخاب و قصائد اردو مع مقدمہ و حواشی (۶۴) ۲۹ قصیدہ نگاروں کے کل ۴۷ قصائد پر حواشی (ص ۴۴۵ - ۴۶۷) ایسے قارئین کو مدِ نظر رکھ کر لکھے ہیں کہ جو کچھ نہ کچھ جانتے ہیں اور تھوڑی سی وضاحت سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں- مرتب نے آسان الفاظ و تراکیب چھوڑ دیے ہیں- کہیں کہیں لفظی معنی کو سہل سمجھ کر مرادی معنی لکھنے یا با محاورہ پیرایہ اختیار کرنے پر قناعت کی گئی ہے-

روح انیس (۶۵) حواشی کے ساتھ مرتب کی گئی ہے-اس میں میر انیس کے بہترین مرثیے (۷) سلام (۱۵) اور رباعیات (۳) شامل ہیں-مرتب نے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی وہاں لفظوں' محاوروں کے معنی اور فقروں اور جملوں کے مطالب ذیلی حاشیوں میں لکھ دیے ہیں-کہیں کہیں کلام کی کسی خاص خوبی یا صفت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے-متن میں مشکل الفاظ پر نمبر ا'۲'۳ درج ہیں اور ان کے مطابق ذیلی حاشیے میں ان کی وضاحت کی گئی ہے-

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے کلیات ذوق (۶۶) کو مرتب کرتے وقت آخر میں ردیف وار حواشی تحریر کیے ہیں-

مولانا مہر نے ابوالکلام آزاد کے خطوط اور تحریروں پر مشتمل نقش آزاد (۶۷) مرتب کرتے ہوئے مختلف مقامات پر وضاحت کے لیے توضیحی حواشی تحریر کیے ہیں-خطبات آزاد (۶۸) کے آخر میں مالک رام نے تقریباً ۵۵ صفحات پر مشتمل حواشی تحریر کیے ہیں-

آثار الصنادید (۶۹) کے پہلے ایڈیشن میں سرسید نے اپنے عہد کی دلی کے صوفیا' شعرا' حکیموں' خوش نویسوں اور موسیقاروں کے حالات لکھے تھے' لیکن دوسرے ایڈیشن میں ان شخصیات کے حالات پر مبنی پورا باب حذف کر دیا-خلیق انجم نے آثار الصنادید کو مرتب کرتے ہوئے نہ صرف اس باب کو شامل کیا ہے بلکہ جن شخصیات کا ذکر ہے' ان پر ضروری حواشی (ص ۲۴۷-۲۹۷) بھی تحریر کیے ہیں-حواشی میں ان مآخذ کے حوالے بھی دیے ہیں' جن میں ان بزرگوں کے حالات درج ہیں-اسی طرح آثار الصنادید (۷۰) کی جلد سوم میں جن قدیم عمارتوں' درگاہوں' مساجد' مقبروں اور مزاروں کا ذکر ہے' ان کے متعلق معلومات اس جلد میں حواشی کی تحت مندرج ہیں' حواشی میں اردو' فارسی اور انگریزی کے ان مآخذ کا حوالہ بھی ملتا ہے' جن میں ان عمارتوں کا ذکر ہے-

◎ تعلیقات:

تعلیقات اور حواشی تقریباً مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں ان میں کوئی بنیادی فرق نہیں-اگر ہے بھی تو معمولی' مثلاً حواشی میں کتب حوالہ' اقتباسات' مآخذ اور توضیحات وغیرہ شامل ہوتے ہیں-لیکن تعلیقات کسی دوسرے مصنف کے متن یا کسی کتاب کے ترجمہ و تشریح کے دوران استعمال کی جاتی ہیں اور عام طور پر ہر مضمون کے آخر میں درج کی جاتی ہیں-

کتاب کے متن میں بعض ایسے امور و مسائل کا ذکر ہوتا ہے جن کی وضاحت سے کتاب کی اہمیت و افادیت بڑھ جاتی ہے-بعض اوقات عدم توضیح کی بنا پر اصل مفہوم تک رسائی نہیں ہو پاتی' اسی لیے جدید تحقیق میں تعلیقات نگاری تنقید متن کا لازمہ سمجھی جاتی ہے-اس سے گونا گوں فوائد حاصل ہوتے ہیں-

۱- تعلیقات سے متن زیادہ انتقادی اور پر از معلومات ہو جاتا ہے-بعض اوقات کتاب سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا تعلیقات سے-

۲- مطالب کتاب کی تفہیم و تنقید میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے اور کتاب کی غرض و غایت کما حقہ انھی سے پوری ہوتی ہے-

۳- کتاب کی تاریخی، ادبی و فرہنگی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے- گویا یہ کتابوں کی پرکھ کے ایک پیمانے کی شکل ہے-

۴- مصنف کتاب کے علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے-

۵- تعلیقات نگاری جداگانہ تالیف کا موجب ہوتی ہے-

۶- تعلیقات نویسی علوم پر غیر معمولی دسترس کی متقاضی ہے، چنانچہ تعلیقات نویسی بذات خود عمیق مطالعے کی دعوت دیتی ہے-

۷- اس سے مصنف کی کوتاہیوں کا پتا چلتا ہے- اگر تعلیقات نہ لکھے جائیں تو مدتوں تسامحات کا شمار علم کے درجے میں ہوتا رہے گا-(۷۱)

فارسی محققین میں مرزا محمد بن الوہاب قزوینی نے چہار مقالے پر نہایت عالمانہ تعلیقات لکھے- ان کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ علوم اسلامی، تاریخ، ادب، لغت، دستور زبان وغیرہ کے متعلقہ مسائل میں ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی بلا کی تھی- نیز ایران کی ثقافتی تاریخ کا ایک واضح نقشہ قائم ہو جاتا ہے- مرزا محمد نے بعد میں ان پر مفید اضافے کیے- ان کے کئی سال بعد ڈاکٹر محمد معین نے چہار مقالے کا نیا ایڈیشن شائع کیا جس پر مرزا محمد کے مطالعات پر سودمند اضافے ملتے ہیں-

پروفیسر نذیر احمد نے حکیم سنائی کے ۷۱ خطوط پر مشتمل مکاتیب سنائی ۱۹۶۲ء میں شائع کی جن پر کئی سو صفحے بطور تعلیقات اضافہ ہوئے ہیں- ایک اور کتاب دیوان سراجی خراسانی کا انتقادی متن ۱۹۷۲ء میں علی گڑھ سے شائع کیا- اس میں بھی دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل تعلیقات ہیں-

اردو میں بعض محققین نے بعض کتب پر تعلیقات لکھے ہیں، مثلاً تاریخ ارادت خان کے مختلف نسخوں کے پیش نظر صحتِ متن کا اہتمام کیا گیا اور مفید حواشی و تعلیقات تحریر کیے گئے- متن میں مذکور شخصیات کے مختصر سوانح اس ذیل میں دیے گئے ہیں، جن سے تاریخ ارادت خان کی اہمیت و افادیت میں اضافہ ہوا ہے اور اس کی تفہیم میں آسانی پیدا ہو گئی ہے-''

ڈاکٹر محمد ریاض نے مکتوبات و خطبات رومی کا ترجمہ کیا اور مکتوب الیہم کا مختصر تعارف (الفبائی ص ۲۶۳-۲۷۱) پیش کیا ہے جس سے مکتوبات و خطبات کسی قدر واضح ہو گئے ہیں-

مکاتیب اقبال کے بارے میں تحقیق، عبداللہ قریشی کا خاص موضوع رہا- اقبال بنام شاد، مہاراجا کشن پرشاد کے نام اقبال کے خطوط کئی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں- ان کے مطالعے سے اقبال اور مہاراجا کی زندگی کے بہت سے نئے پہلو سامنے آئے ہیں- عبداللہ قریشی لکھتے ہیں:

''خطوط کے بعض دھندلے نقوش کو میں نے ''تعلیقات'' سے روشن کرنے کی جسارت کی ہے- جن جن رجال کا ذکر آیا ہے ان پر میں نے نوٹ لکھے ہیں- یہ نوٹ کئی جگہ طویل ہو گئے ہیں...... کوشش کی ہے کہ بات اقبال کے حوالے ہی سے کی جائے اور اقبال نے جو کچھ ان کے متعلق کسی دوسری جگہ کہا ہے، وہ سب سمٹ کر یکجا ہو جائے-''(۷۲)

یہ دلچسپ عالمانہ تعلیقات ۳۵ ہیں- موئف نے ہر خط کے بعد یہ تعلیقات درج کیے ہیں- اسی انداز سے موئف نے مکاتیب اقبال بنام گرامی میں تعلیقات درج کیے ہیں-

خطبات مدراس کا اردو ترجمہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ از سید نذیر نیازی حواشی و تعلیقات کے ساتھ دستیاب ہے- خطبات گارسیں دتاسی -- ترتیب و تعلیقات (۷۳) یہ تحقیقی مقالہ مجلس ترقی ادب، لاہور کی طرف سے ۱۹۸۷ء میں بعنوان تعلیقات خطبات گارسیں دتاسی شائع ہو چکا ہے-

◎ تراجم

ترجمہ ایک ایسا عمل ہے، جس میں کسی ایک زبان کے متن کو دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے یا کسی نثری قصے، کہانی کو منظوم صورت میں ایک زبان سے دوسری زبان میں ڈھال دیا جاتا ہے- بعض اوقات اشعار یا شعری مجموعوں کے منظوم تراجم مختلف زبانوں میں کیے جاتے ہیں- ان کا مقصد بھی توضیح و تشریح ہوتا ہے- اس سے ان افراد کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے، جو دوسری زبان کو نہیں جانتے ایسے افراد کے لیے غیر زبان کے مفاہیم کو ان کی اپنی زبان اور اسلوب بیان میں بتانا پڑتا ہے- چنانچہ ترجمہ ہر دور میں ہر زبان کی اہم ترین ضرورت رہا ہے- یہ مختلف قوموں، زبانوں اور ثقافتوں کے درمیان پڑے ہوئے اجنبیت کے پردے چاک کر کے انھیں ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے اور زبان کی ترقی، پھیلاؤ اور وسعت میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے-

زبان و ادب کی ترقی میں ترجمے کو بڑی اہمیت حاصل ہے- ترجمے کے ذریعے جہاں گرد و پیش کے علمی اثر و نفوذ کو قبول کیا جا سکتا ہے، وہاں ترجمے کی تہذیب کے زیر اثر نئے الفاظ کا اخذ و انتخاب بھی ممکن ہے-

مشرقی زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم سب سے زیادہ اردو میں، پھر فارسی میں اور بعد میں دیگر مشرقی زبانوں میں کیے گئے- اب تک قرآن مجید کے تراجم تقریباً ۵۳ زبانوں میں ہو چکے ہیں- تراجم قرآن پاک کی سب سے زیادہ سعادت اردو زبان کو نصیب ہوئی-

اردو میں نثری تراجم کا آغاز سترھویں صدی کے آغاز سے ہوتا ہے- اردو نثر کے ابتدائی دور میں جو رسالے ملتے ہیں ان میں سے اکثر فارسی اور عربی میں ترجمہ کیے گئے ہیں اور زیادہ تر مذہب و تصوف سے متعلق ہیں، اس کے علاوہ داستانی ادب کو بھی اردو میں منتقل کر کے اس کے سرمائے میں اضافے کی کوشش کی گئی-

شمالی ہند میں فضل علی فضلی نے ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف روضتہ الشہدا کا اردو ترجمہ کربل کتھا کے نام سے ۱۷۳۱ء میں کیا- اٹھارویں صدی کے آخر میں فارسی قصہ چہار درویش کا ترجمہ میر عطا حسین خان تحسین نے نوطرز مرصع کے نام سے کیا- فورٹ ولیم کالج میں اردو تراجم کے لیے ملک بھر سے عالم فاضل اشخاص کو جمع کیا گیا اور فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت سے آسان اردو میں تراجم کرائے- میر امن دہلوی نے نو طرز مرصع کا ترجمہ باغ و بہار کے نام سے کیا-

اردو تراجم کو علمی موضوعات سے روشناس کرانے کی پہلی با قاعدہ کوشش دہلی کالج کی ''مجلس ترجمہ'' کے انعقاد سے شروع ہوئی -- جس نے بعض مفید اور اہم کتب کے ترجمے کیے- دہلی کالج کے بعد اردو تراجم کی روایت کو سر سید احمد خان نے با قاعدہ طور پر آگے بڑھایا اور سائنٹفک سوسائٹی کے تحت انگریزی کتب کے اردو تراجم کرائے-

اردو کے جن شعرا کا فارسی کلام سب سے زیادہ ترجمہ ہوا ان میں غالب اور اقبال کے نام اہم ہیں-

اقبال ایک آفاقی شاعر تھے ان کا پیغام ایک مخصوص قوم کے لیے نہیں تھا بلکہ پوری دنیا کے لیے تھا- علامہ اقبال کی زندگی ہی میں ان کے کلام کو اس قدر مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی مشہور نظموں کے مختلف زبان میں منظوم تراجم ہوئے- مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے اقبال کے فارسی کلام اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور انگلستان سے شائع کیا-

کلام اقبال کے مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں- جن میں اردو' ازبک' اطالوی' انڈونیشی' انگریزی' براہوی' بلتی' بلوچی' بنگالی' پشتو' پنجابی' تاجیک' ترکی' تیلگو' جرمن' چیک' چینی' سرائیکی' سندھی' سویڈش' عربی' فارسی' فرانسیسی' کشمیری' گجراتی اور مراٹھی زبانیں شامل ہیں- یہ تراجم زیادہ تر شعری صورت میں ہیں اور بعض نثری صورت میں-

◎ فرہنگ:

فرہنگیں دو طرح کی ترتیب دی جاتی ہیں ایک وہ جسے عرف عام میں فرہنگ یا لغت کی کتاب کہہ سکتے ہیں' جہاں ایک ایک لفظ کی تفصیل درج ہوتی ہے-

ان لغات میں الفاظ کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق الفاظ کے تلفظ اور معنی و مفہوم' الفاظ کے اصلی معنی کے ساتھ مجازی یا اصطلاحی معانی بھی بتائے جاتے ہیں- الفاظ کے مرکبات' مشتقات' محاورات اور ضرب الامثال وغیرہ لکھے جاتے ہیں- اختلافی اور قواعدی علامات کا اہتمام بھی موجود ہوتا ہے-

ان تمام امور کی تشریحات کا مقصد یہ ہے کہ ناظرین کو لغت استعمال کرنے میں سہولت ہو- الفاظ کی مقررہ تعداد کے اندر زیادہ سے زیادہ لغوی معلومات بھی حاصل ہو سکیں- یوں یہ فرہنگیں علمی مقاصد اور عمومی لسانی ضروریات کے لیے یکساں طور پر کارآمد ہیں-

دوسری وہ فرہنگیں' جو کسی ادیب یا شاعر کے کلام میں مستعمل الفاظ' محاورات' اصطلاحات' موضوعات اور عنوانات کے معنی و مطالب پر مبنی ہیں- اکثر فرہنگیں جو ہندستان میں لکھی گئیں ان کا مقصد یہی تھا کہ ان سے درسی کتب کے مطالعے میں مدد ملے-

فارسی زبان میں تو بہت سی فرہنگیں لکھی گئی ہیں مثلاً بحرالفضائل فی منافع الافاضل (محمد بن قوام بن رستم بن احمد)' فرہنگ قواس (فخرالدین مبارک شاہ قواس غزنوی ۱۳۰۸)' فرہنگ شیرخانی 'موئد الفضلا از مولوی محمد بدر (۱۵۱۹ء) مشہور ہیں-

اسی طرح مثنوی مولانا روم کے بہت سے فرہنگ تیار کیے گئے ہیں' جن میں سے بعض کی اپنی علمی سطح بہت بلند ہے۔مگر اردو زبان وادب میں اس قسم کی فرہنگوں کی نمایاں طور پر کمی کا احساس ہوتا ہے۔ اردو کی تمام لغات اور فرہنگیں اردو ادب میں بکھرے ہوئے تمام الفاظ' محاورات' ضرب الامثال' روزمرہ' اصطلاحات اور تلمیحات کا احاطہ کرنے سے قاصر نظر آتی ہیں۔

اردو میں کلام میر کی دو فرہنگیں ترتیب دی جا چکی ہیں۔۱۹۸۴ء میں سید فرید احمد برکاتی نے ڈاکٹر فضل امام کی نگرانی میں کلیات میر تقی میر مرتب کی اور ایک مبسوط فرہنگ بھی ترتیب دی۔

فرہنگ کلام میر مع تنقیدی مقدمہ شاہینہ تبسم نے مرتب کی۔ ذوق کے ۲۹ قصائد کے الفاظ کی فرہنگ مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی نے تیار کی۔ شریف احمد قریشی نے نظیر اکبرآبادی کے کلام کی ایک مفصل فرہنگ مرتب کی۔ (۷۴) رشید حسن خان نے مثنوی گلزار نسیم اور مثنویات شوق مرتب کیں اور ان کے ساتھ فرہنگیں بھی مرتب کر دیں۔ طلسم ہوشربا کی فرہنگ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کی مرتب کردہ ہے۔ علاوہ ازیں دیوان تراب' دیوان آبرو' کلیات ولی' کلیات ممنون' کے آخر میں فرہنگوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اقبال کے کلام وخطبات میں معانی کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ جس تک پہنچنے کے لیے خلوص' وسیع علم اور غیر مختتم مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بعض حضرات نے تفہیم اقبال کے سلسلے میں اپنی استطاعت کے مطابق کام کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ قاری کی ان دقتوں کو' جو مطالعۂ اقبال میں پیش آتی ہیں' دور کر دیا جائے۔ چنانچہ کلام اقبال کے ایک ایک لفظ' تراکیب' تلمیحات اور اشارات کی توضیح وتشریح پر مشتمل فرہنگ مرتب ہو چکے ہیں' مثلاً:

مطالب اقبال (۷۵) میں اردو کلام کی تفہیم کے لیے الفاظ وتراکیب کے ساتھ ساتھ ان اہل علم کا مختصر تذکرہ بھی موجود ہے جن کا ذکر کلام اقبال میں ملتا ہے۔ الفاظ کے لفظی واصطلاحی معنی بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ ترتیب الفبائی ہے۔ تلمیحات اقبال (۷۶) میں تمام کلام اقبال اردو اور فارسی کو الفبائی ترتیب میں رکھا گیا ہے۔ پہلے اردو کلام پھر فارسی کلام میں مستعمل الفاظ' اسما' اماکن اور واقعات کی مفصل وضاحت موجود ہے۔ مآخذ کی نشان دہی حواشی میں کر دی ہے۔ مطالعۂ تلمیحات و اشارات اقبال (۷۷) اکبر حسین قریشی کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے' جس میں انھوں نے کلام اقبال کی تلمیحات واشارات کی تشریح کی ہے۔ بلکہ قرآن کریم' احادیث نبوی' صوفیائے کرام اور مشرق ومغرب کے فلسفیانہ ادب سے متعلق اقبال کے بنیادی تصورات کو بھی واضح کیا ہے۔ نسیم امروہوی کی فرہنگ اقبال (دو جلدیں)' جلد اول علامہ کے اردو مجموعوں اور جلد دوم فارسی مجموعوں کے الفاظ وتراکیب کے معانی پر مشتمل ہے۔ مولف کہتے ہیں کہ اردو ناظرین کو اس فرہنگ کے چراغ کی روشنی میں وہ تمام مطالب ومعانی روز روشن کی طرح دکھائی دینے لگتے ہیں جو علامہ نے کسی مجموعے میں کسی لفظ یا ترکیب سے مراد لیے ہیں...... (۷۸)

◎ مختلف زبانوں میں شرح نویسی: (عربی، فارسی، اردو)

کتاب مبین قرآن حکیم کی سیکڑوں تفاسیر لکھی گئی ہیں، مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، بحر مواج، تفسیر حقانی، بیان القرآن، تفسیر عزیزی وغیرہ- یہ تفاسیر اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر راسخ العقیدہ مسلمانوں میں خاصی مشہور و مقبول ہوئیں- مفسّرین کی توجہ زیادہ تر عقائد کی فلسفیانہ تفسیر پر رہی- نحوی تشریحات کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن کے ادبی محاسن کی طرف توجہ دلائی گئی- ان تفاسیر میں وہ تمام قدیم مواد جمع کر دیا گیا ہے جس سے بعد کے مفسّرین استفادہ کرتے رہے-

دنیا میں کسی دوسری کتاب کی نہ تو اتنی شرح و تفسیر لکھی گئی ہے اور نہ اس کے علم و عرفان کی تفہیم میں اتنا لٹریچر سامنے آیا ہے- ایک ایک جملے، ایک ایک لفظ، بلکہ بعض اوقات ایک ایک حرف کی تشریح کی گئی ہے، یہاں عربی، فارسی اور اردو کی چند مشہور ترین تفاسیر کا ذکر کیا جاتا ہے-

عربی کی سب سے پہلی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان ہے، جو نظام الدین حسن بن محمد حسین شافعی قمی کی تالیف ہے- عربی کی دوسری تفسیر تبصیر الرحمن و تیسیر المنان ببعض مایشیرالی اعجاز القرآن مشہور صوفی شیخ زین الدین علی بن احمد بن علی المہائمی ہندی نے لکھی- تیسری تفسیر محمد بن احمد میانجی کی تفسیر المحمدی ہے- چوتھی تفسیر منبع نفائس العیون شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری نے لکھی- پانچویں تفسیر ابوسعید احمد مشہور بہ مُلا جیون کی التفسیرات الاحمدیتہ فی بیان الایات الشریعتہ ہے- چھٹی تفسیر قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی حنفی کی التفسیر المظہری ہے- نواب سید صدیق حسن خان نے فتح البیان فی مقاصد القرآن اور ثناء اللہ امرتسری نے تفسیر القرآن بکلام الرحمن لکھی-

برصغیر پاک و ہند میں عربی اور فارسی تفاسیر کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے- چنانچہ قرآن پاک کی اس سلسلے میں نظام نیشاپوری کی عربی تفسیر کا فارسی ترجمہ پہلا نمونہ ہے- پھر محمد بن احمد معروف بہ خواجگی شیرازی نے مختصر تفسیر لکھی جو درحقیقت تفسیر مجمع البیان کا خلاصہ ہے- قاضی شہاب الدین احمد کی بحر موّاج شمالی ہند کی پہلی تفسیر ہے- تفسیر کی زبان سادہ ہے- ترکیب نحوی، مسائل فقہ، عقائد پر مشتمل ہے اور ہندستان کی تفسیروں میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے-

مغلیہ دور میں بعض علما کی توجہ حدیث و تفسیر کی جانب ہوئی- عالمگیر کے عہد سلطنت میں کئی تفاسیر تالیف کی گئیں، مثلاً تفسیر امینی از محمد امین صدیقی تفسیر نعمت عظمیٰ از مرزا نورالدین عالی (نعمت خان)

فتح الرحمان بترجمتہ القرآن کے نام سے ۱۷۳۸ء میں شاہ ولی اللہ نے قرآن حکیم کے فارسی میں مختصر اور تفسیری حواشی لکھے جو نہایت واضح اور سادہ زبان میں ہیں- اس کا ایک مقدمہ بھی ہے، جس میں ترجمے کے اصول اور ترجمۂ قرآن کی اہمیت دونوں پر عالمانہ بحث کی ہے- اس ترجمے سے قرآن مجید کے معانی و حقائق سمجھنے میں بڑی مدد

ملی اور اردو تراجم کے لیے یہ ترجمہ اساس و بنیاد ٹھہرا - علما نے ہر زمانے میں اس سے استفادہ کیا ہے - پھر ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی لکھی -

اردو میں شاہ عبدالقادر نے موضح القرآن لکھی - سید علی مجتہد نے توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید اور قاضی بدرالدولہ نے فیض الکریم کے نام سے سادہ تفاسیر لکھیں - (۷۹)

سر سید احمد خان نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی اور اس کی پہلی جلد ۱۸۸۰ء میں چھاپ دی - سر سید نے لوگوں کے احتجاج کے باوجود سورۃ الکہف وغیرہ تک شائع کی - علما نے ان کے خیالات ' عقائد اور تالیفات کے زیر اثر کتب لکھیں اور مفسرین نے اردو میں تفسیریں لکھنا شروع کیں ' جن میں تفسیر عمدۃ البیان از عمار علی رئیس سونی پت ' تفسیر روفی از رؤف احمد نقش بندی ' امیر علی کی مواھب الرحمن اور مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر فتح المنان (تفسیر حقانی) نے بڑی شہرت حاصل کی - یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے - اردو میں اصل مطلب قرآنی کو واضح کیا ہے - معانی اور بلاغت کے متعلق نکاتِ قرآنیہ کو بیان کیا ' اور آیات میں ربط پیدا کیا ہے - مخالفین کے شکوک وشبہات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سب کا جواب وضاحت سے دیا ہے - یہ تفسیر اردو میں بڑی معتبر اور مستند ہے - مآخذ زیادہ تر تفسیر امام رازی ' تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف ہیں - (۸۰)

اس کے بعد صدیق حسن خان ' محمد احتشام الدین مراد آبادی ' عبدالحکیم خان اور وحید الزمان خان حیدر آبادی نے اردو میں تفسیریں لکھیں - اسی دور میں مشہور و مقبول تفسیر و ترجمہ تنویر البیان از سید محمد حسین اور حاجی مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ و تفسیر نے بڑی شہرت حاصل کی -

مولانا محمد قاسم نانوتوی ' مولانا شبیر احمد عثمانی ' مولانا محمود حسن جیسے علمائے وقت کے تقاضوں کے مطابق مسائل کو علمی رنگ میں وضاحت کے ساتھ عوام وخواص کے سامنے پیش کیا - علم وحکمت کی باریکیوں اور علوم ومعارف کو عام کرنے کی راہیں ہموار کرتے رہے - ان علما کی دیگر دینی خدمات کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی کے سلسلے میں انجام دی گئی خدمات زیادہ اہمیت کی حامل ہیں ــــ دینی علوم کو نئی نسل تک پہنچانے کے لیے قران پاک کا ترجمہ مع تفسیر آسان الفاظ میں پیش کیا - جو وقت کی سب سے بنیادی ضرورت تھی - تفسیر ابن کثیر جو دارالعلوم کے نصاب میں شامل تھی ' کے اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں -

مولانا اشرف علی تھانوی کی قرآن مجید کی تفسیر بیان القرآن ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے - مولانا نے ایجاز و اختصار کے ساتھ آیات کے معنی ومطالب بیان فرمائے ہیں - تفسیر اپنے مواد اور بیان کے اعتبار سے بہت پسند کی جاتی ہے:

مولانا مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن ' مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن کی تسہیل وتشریح ہے - مفتی صاحب نے بے شمار عصری مسائل پر عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے - تفسیر کو عوام الناس کی سہولت اور قرآن حکیم کا

ذوق پیدا کرنے کے لیے ہر لحاظ سے آسان بنایا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے تین مرحلوں میں تفسیر کو بیان کیا ہے۔ پہلا مرحلہ ترجمہ کا ہے۔ دوسرا تفسیر کا اور تیسرا معارف و مسائل کا ہے۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی کی منازل العرفان فی علوم القرآن اپنے موضوع پر نہایت اہم ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی قصص القرآن (چار جلدیں) میں ان انبیا کرام کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

اس کے علاوہ قاری محمد طیب قاسمی کی قرآن کریم کی عملی تفسیر مولانا شمس الحق افغانی کی علوم القرآن مولانا احمد سعید دہلوی کا ترجمہ قرآن مسمی بہ کشف الرحمن' مولانا مناظر احسن گیلانی کی تدوین القرآن مولانا رشید احمد گنگوہی کی اوقاف قرآن عبدالماجد دریا آبادی کی تفسیر ماجدی مولانا محمد علی کاندھلوی کی معالم التنزیل (۳۰ جلدیں) بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ علما دروس کے لیے ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ عالم اسلام میں ان تفاسیر کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ سب تفسیریں دراصل اثری اور سابقین کے معین کردہ اصولوں پر مبنی ہیں۔ لیکن علم و عہد کی تبدیلی سے ہر ایک میں ندرت و خوبی ہے۔ ہندستان و پاکستان کے صاحبان فکر و نظر جس تنوع و تحقیق کے ساتھ مصروف عمل ہیں، وہ مستقبل قریب میں زیادہ سے زیادہ سودمند ہوگا۔

ہندو پاکستان میں شعرا نے مکمل قرآن کی منظوم تفسیریں بھی لکھی ہیں۔ جیسے عبدالسلام کی تفسیر زادالآخرت اور آغا شاعر قزلباش دہلوی کی تفسیر منظوم (طبع لاہور و دکن) ہیں۔

علمی تاریخ میں یہ ہماری سعادت و خوش بختی ہی نہیں بلکہ سرفرازی کا سبب ہے کہ ملکی ضرورتوں، علمی بصیرتوں اور تبلیغ و اشاعت کے لیے زمانہ قدیم کی تفسیر ابن کثیر سے لے کر دور حاضر کی سید قطب شہید کی فی ضلال القرآن یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن تک اتنا بڑا سرمایہ کسی ایک کتاب کی شرح کے لیے وجود میں آیا۔ آج کل بھی اسلامی دنیا میں ارباب فکر و نظر اور علما، تفسیر اور قرآن فہمی میں مصروف ہیں۔

چونکہ اسلام کی پوری عمارت قرآن مجید اور احادیث نبویؐ پر قائم ہے اور حدیث نبوی کلام مجید کی تفسیر ہے۔

عربی زبان میں حدیث کو سمجھنے، اس کی وضاحت، اس کا مقام متعین کرنے اور نقد و جرح نیز استنباط مسائل و احکام کے پیش نظر کئی علما نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ حدیث کے مجموعوں کی شرحیں تیار کی جائیں، متروک الفاظ و عبارات کی تشریح کو ضروری سمجھا گیا اور خصوصاً بہت سی متضاد باتوں کو تشریح طلب جانا گیا۔ چنانچہ اس کوشش اور ضرورت کے تحت احادیث رسولؐ کے مختلف مجموعوں کی شرح و تفسیر لکھی گئی۔

سیرت نگاری سے شغف ہر دور میں رہا ہے۔ مسلمانوں کی سب اہم زبانوں میں سیرت پر کتب لکھی گئی ہیں اور آنحضرتؐ کے سوانح حیات کے اہم حصوں کو فرداً فرداً موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔

۱۲۵۰۲

سیرت میں شرح وتوضیح کی بنیاد دراصل متقدمین کی تصانیف ہیں-ان کتابوں میں اصل کتب کے مقابلے میں معلومات زیادہ ہیں اوراس لحاظ سے انھیں مستقل تصانیف کا درجہ دیا جاسکتا ہے-

اسی طرح مختلف علوم کی کتب کی شرحیں لکھی گئیں، مثلاً علم فقہ، علم منطق، فلسفہ، صرف، نحو، قواعد، طب، ریاضی، کیمیا اور ہیئت وغیرہ-

◎ **کتب شعروادب کی شرحیں:**

عربی ادبیات میں شرح نگاری کی روایت بہت قدیم ہے، جواس انداز میں مغربی ادبیات میں نظر نہیں آتی- عربی ادب کی تقریباً ہر دور میں شاعری اور نثر کی کتب کی شرحیں لکھی جاتی رہی ہیں-

مختلف ادوار میں عرب شعراز ہیر بن ابی سلمیٰ، عمر بن ابی ربیعہ، ابوالعلامعری، المتنبی اور ابوتمام کے کلام کی شرحیں لکھی گئیں-امرالقیس کے کلام کی مندرجہ ذیل شارحین نے شرحیں تحریر کیں-

الزوزنی کی شرح معلقات

التبریزی کی شرح معلقات

النحاس کی شرح معلقات (۸۱)

دیوان حسان بن ثابت کی کئی شرحیں لکھی گئیں-عصر حاضر میں عبدالرحمٰن البرقوقی کی شرح خاصی مقبول و متداول ہے-

عربی ادب میں ابوتمام کے الحماسہ (قصیدہ) کی مقبولیت کی وجہ سے متعدد شارحین نے شرحیں لکھیں-ان شروح میں سب سے جامع اور مفصل احمد ابن محمد بن الحسن المرزوقی کی ''شرح دیوان الحماسہ ہے، جس میں نحوی مشکلات کے حل کے علاوہ ہر شعر کی تشریح کا اہتمام کیا گیا ہے (۸۲) ابوالفتح عثمان بن جنی نے بھی شرح دیوان الحماسہ لکھی- ابوتمام کے حماسہ پر تبریزی نے تین شرحیں لکھیں-(اکبر، اوسط، اصغر) (۸۳)

انیسویں صدی عیسوی میں مصر میں مفتی محمد عبدہ اور برصغیر پاک و ہند میں فیض الحسن سہارن پوری کی علمی مساعی کی بدولت دیوان الحماسہ عربی مدارس کے نصاب میں شامل کیا گیا-چنانچہ طلبا کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیض الحسن سہارن پوری نے دیوان الحماسہ کی عربی شرح الفیضی کے نام سے لکھی-مولوی محمد اعزاز علی کی شرح دیوان الحماسہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جس میں اشعار کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے-محمد سعید الرافعی کی مختصر شرح دیوان الحماسہ بھی قابل ذکر ہے، جو تمام تر التبریزی کی شرح سے ماخوذ ہے-اردو میں دیوان الحماسہ کی شرح تسہیل الدراسہ فی شرح الحماسہ ذوالفقار علی دیوبندی نے لکھی ہے-اس میں عربی حل لغات کے علاوہ ہر شعر کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے-(۸۴)

عرب شاعر ابوالعلا المعری نے اپنی تصنیف سقط الزند کی شرح ضوء السقط تحریر کی-ابوالعلا نے بعض

شعرا کے دیوانوں کی شرحیں بھی لکھی ہیں-مثلاً شرح دیوان متنبی (معجز احمد) اور عبث الولید کے نام سے شرح دیوان بحتری اور ذکر حبیبی کے نام سے شرح دیوان ابو تمام وغیرہ-(۸۵)

مشہور عرب شاعر المتنبی (ابوالطیب) ان لوگوں میں سے ہے، جن کا اثر عربی شاعری پر بہت گہرا پڑا ہے- دیوان متنبیؔ نہ صرف قرون وسطیٰ میں مقبول رہا بلکہ موجودہ زمانے میں بھی فضلائے زمانہ کی کوششوں سے ایران سے لے کر ہسپانیہ تک طلبا اور علما اور ادبا کے درمیان متداول ہے- پچاس سے زائد فضلا نے دیوان متنبیؔ کی شرحیں لکھی ہیں-الواحدی التبریزی اور العکبری کی شرحیں مشہور ہیں-(۸۶)

ابوالعلا معری کے شاگرد التبریزی نے مندرجہ ذیل کتب پر شروح تحریر کیں- دیوان المتنبی، المفضلیات، قصاندبانت سعاد، مقصورہ ابن درید، کتاب اللمع فی الخواز ابن جنی (۸۷)

ابوالعباس شہاب الدین احمد بن فرح کے قصیدۂ عزامیہ کی متعدد لوگوں نے شروح لکھیں، گیارھویں صدی کے اواخر میں عمر بن محمد بن فتوح البیقونی نے مصطلحات حدیث پر ایک نظم البیقونیتہ فی المصطلح لکھی-متعدد علما نے اس کی شرحیں لکھیں-ابوبکر محمد الاوشی نے عقائد میں نظم امالی لکھی-بحر اللّٰہ لی نظم المالی (عربی) کے نام سے اس کی شرح لکھی گئی-دیوان محمد حافظ ابراہیم کی شروح تحریر کی گئیں-سیدہ عائشہ باعدنیہ نے الفتح المبین فی مدح الامین کے نام سے اپنے قصیدے کی شرح لکھی-(۸۸) قصیدہ بردہ کی متعدد شرحیں لکھی گئیں-(۸۹)

◎ فارسی شرح نویسی

شرح نگاری کے اس سلسلے کو فارسی زبان وادب میں اور بھی زیادہ فروغ ملا-یوں فارسی میں شرح نویسی کی جو مستحکم روایت قائم ہوئی، اردو میں اس کا بہت کم حصہ نظر آتا ہے- ہندوستان کے علما نے فارسی نظم ونثر کی کتابوں کی بے شمار شرحیں لکھی ہیں- خاص طور پر شعری مجموعوں کو زیادہ قابل توجہ سمجھا گیا اس میں دور شعر صرف فن کے اظہار کا وسیلہ ہی نہ تھا بلکہ تہذیب وتصوف کے گہرے اور پیچیدہ مسائل نیز نکتہ آفرینیوں کا ذریعہ بھی تھا- یہی وجہ ہے کہ ادبی متون میں مشاہیر وشعرا کے کلام کی شرحوں پر توجہ رہی-

فارسی ادبیات میں نظم ونثر دونوں کی شرحیں لکھی گئیں-اوستا زرتشت کا ایک مقدس صحیفہ ہے-قبل از اسلام اوستا کی شرح ژند پہلوی زبان میں لکھی گئی- پھر ژند کی ایک تفسیر پازند لکھی گئی- پہلوی زبان میں ہی خدائی نامہ کی تفسیر لکھی گئی-(۹۰) اس کے علاوہ مختلف عرب شعرا کے کلام کے فارسی زبان میں ترجمے ہوئے اور شرحیں بھی لکھی گئیں-

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اسلامی تصوف میں بڑی عظیم شخصیت ہیں ان کی فصوص الحکم خاص طور پر علمی وادبی حلقوں میں عرفان ومعرفت کی درسی کتب میں لافانی شہرت حاصل کی-ابن عربی کے افکار وعرفان سے آگاہ ہونے اور دوسروں کو آگاہ کرنے کے لیے، فصوص کی مشکلات کے حل اور اشارات

وکنایات کی وضاحت کے لیے شرحیں لکھی گئیں- خوش قسمتی سے یہ افتخار مسلمانوں میں ملتِ ایرانیہ کو حاصل رہا کیونکہ ان کے عرفان کے بیشتر شارحین و مفسرین اسی سرزمین سے اٹھے جنھوں نے ان کے جاندار فلسفے اور سچے عرفان و معرفت کے شائقین کی ضیافت طبع کے لیے اُسے بڑی اثر انگیز عبارات میں پیش کیا- چنانچہ شارحین میں کمال الدین عبدالرزاق کاشانی، داؤد بن محمود محمد رومی قیصری، موید الدین بن محمد جندی شامل ہیں-(۹۱)

فخر الدین عراقی نے فصوص الحکم کا خلاصہ اور نچوڑ لمعات کے عنوان سے لکھ کر تصوف کی بے حد بدیع اور عمدہ تصنیف تیار کی- لمعات کے دقیق نکات کو سمجھانے اور سلجھانے کے لیے متعدد شرحیں لکھی گئیں مثلاً سب سے اہم اور مشہور شرح مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی کی اشعتہ اللمعات ہے- متعدد بزرگوں نے اس کی شرحیں لکھیں جن کی تعداد بارہ ہے(۹۲)

مشہور عالم وصوفی بزرگ خواجہ بندہ نواز گیسودراز نے متعدد کتب کی شرحیں لکھیں- مثلاً شرح فقہ اکبر، شرح رسالۂ قشیری، شرح قصیدۂ امالی، شرح آداب المریدین (عربی و فارسی) شرح تصرف ابوبکر بن ابراھیم، شرح تمہیدات عین القضاۃ ھمدانی (ابوالمعالی معروف بہ عین القضاۃ کی صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح)، شرح بیت امیر خسرو، ترجمہ مشارق الانوار، ترجمہ و شرح عوارف المعارف-(۹۳)

اس کے بعد شرح نویسی کا سلسلہ چل نکلا اور مختلف شعرا مثلاً حافظ، جامی، عرفی، عطارؔ، عراقیؔ، صائبؔ کے دواوین کی شرحیں لکھیں گئیں-

گیارھویں صدی کے شروع میں مثنوی مولانا روم ہندستان میں بھی باقاعدہ درس و تدریس میں شامل ہوگئی- یوں مثنوی کا ذوق اس قدر بڑھا کہ عام و خاص سب اس کے مطالعے سے لطف و سعادت حاصل کرنے لگے اور اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں- جن میں عبدالفتاح کی مفتاح المعانی، عبداللطیف عباسی کی لطائف المعنوی، محمد رضا کی مکاشفات رضوی، محمد عابد کی المغنی، شاہ افضل الہٰ آبادی حلِ مثنوی، شکراللہ خان کی شرح مثنوی، خواجہ ایوب پارسا لاہوری کی شرح مثنوی، ولی محمد اکبرآبادی کی مخزن الاسرار، خلیفہ خویشگی قصوری کی اسرار مثنوی اور ملا عبدالعلی بحرالعلوم کی شرح مثنوی نہایت قابل ذکر ہیں-

مثنوی کی مقبولیت کی ایک بڑی دلیل یہی ہے کہ بڑے بڑے جید علما نے اس کی شرحیں لکھیں- مثنوی کے بعض شارحین کے نام بحوالہ مولانا شبلی حسب ذیل ہیں:

''ولی مصطفیٰ ابن شعبان، کمال الدین خوارزی، شیخ اسماعیل قیصری، عبداللہ بن محمد رئیس، ظریفی حسن چلپی، شیخ عبدالمجید سیواسی، علاؤالدین مقفک اور علائی بن یحییٰ واعظ شیرازی''(۹۴)

مثنوی کی ترکی زبانی میں شرحیں اور ترجمے ہوئے۔(۹۵) فارسی زبان میں مثنوی رومی کی شرحیں لکھی گئیں جن میں نثر و شرح مثنوی' مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی از موسی نثری (۹۶) تفسیر و نقد تحلیل مثنوی جلال الدین محمد مولوی از علامہ محمد تقی جعفری (۹۷) اس کے علاوہ بھی اردو میں مثنوی رومی کی شرحیں لکھی گئیں' مثلاً

۱- کلید مثنوی از مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۹۸) ایک جامع اور لاجواب اردو شرح ہے جو ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲- مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم از حضرت محمد نذیر عرشی امرتسری (۹۹) چھ دفاتر کی شرح ۱۷ جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کے علاوہ مختلف نثری کتابوں مثلاً سہ نثر ظہوری اور گلستان سعدی کی شرحیں لکھی گئیں۔

شیخ امام بخش صہبائی نے شرح پنج رقعہ ظہوری' شرح سہ نثری ظہوری تحریر کیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے شرح زنانہ بازار' شرح شبنم شاداب ظہرائے تغرشی' شرح حسن و عشق نعمت خان عالی وغیرہ بھی لکھیں۔(۱۰۰)

گلستان کی فارسی زبان میں لکھی گئی شروح مندرجہ ذیل ہیں:

شرح گلستان	دکتر محمد خزائلی
شرح گلستان	ولی محمد
شرح گلستان	صمد قاضی فتح محمد
شرح گلستان سعدی	محمد اکرم ابن عبدالرزاق ملتانی (۱۰۱)

◎ اردو میں شرح نویسی

اردو میں شرح نویسی کی دو سطحیں ہیں۔ ایک خالصتاً علمی و ادبی' جس میں دیگر زبانوں کی کتب کا ترجمہ' مشکل مقامات کی وضاحت اور ان پر حواشی تحریر کرنا وغیرہ۔ دوسری سطح تدریسی ہے۔ درسی نصاب' کتب میں شامل ادب پاروں کے مشکل مقامات' مشکل الفاظ کی وضاحت اور ان کی تشریح و توضیح کرنا۔ اکثر لوگ ایسی شرحوں کو ناپسند کرتے ہیں' اس لیے کہ ایسی سطحی شرحوں سے استفادہ کر کے طلبا امتحان تو پاس کر لیتے ہیں لیکن ان کی ذہنی سطح محدود رہ جاتی ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسی شرحیں طلبا کے لیے نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور کمزور ذہنی سطح کے مالک طلبا کے لیے ایسی شرحیں بہت مفید ہوتی ہیں۔

مشرقی روایت میں تشریح و تفسیر عالموں کی توجہ کا ہمیشہ مرکز رہے ہیں۔ یوں اردو میں مذہبی صحیفوں کی

شرحیں لکھی گئیں اور تفسیریں بھی۔ اردو نے اظہار واسالیب کے موضوعات اور نئے امکانات میں بھی فارسی سے استفادہ کیا ہے۔ ہندستان میں شرح نگاری کو مزید تقویت ملی۔ فارسی اور عربی تصانیف کی شرحیں وجود میں آئیں۔ شعرا کے کلام کی اردو میں شرحیں لکھنے کا رواج ہوا' لیکن ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے بقول:

''فارسی میں شرح نویسی کی جو مستحکم روایت قائم ہوئی اردو میں اس کا بہت کم حصہ نظر آتا ہے' ہندستان کے علمائے فارسی نظم ونثر کی کتابوں کی بے شمار شرحیں لکھی ہیں' ان میں سے بہت کم چھپ سکی ہیں' بیشتر آج بھی غیر مطبوعہ ہیں اور مختلف کتاب خانوں میں مخطوطات کی حیثیت سے محفوظ ہیں۔'' (۱۰۲)

اردو ادبیات میں سب سے پہلے فارسی کلاسیکی ادب (نظم ونثر) کی شرحیں لکھی گئیں۔ فارسی کی جو کلاسیکی کتابیں مختلف ادوار میں شامل نصاب رہی ہیں' ان کی شرحوں میں بوستان' قصائد انوری' دیوانِ حافظ' مثنوی معنوی' کلام عطارد' قصائد خاقانی' مخزن الاسرار' قصائد عرفی' دیوانِ صائب' دیوانِ جلال اسیر وغیرہ کی شرحوں کی تعداد دوسرے شعرا کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ (۱۰۳)

محمود شبستری کی مثنوی گلشن راز تصوف کی مشہور کتاب ہے' اکثر فضلا نے مختلف اوقات میں ۵۰ سے زائد شرحیں لکھی ہیں۔ جن میں میر حسینی ہروی کی مفاتیح الاعجاز زیادہ مشہور ہے۔ (۱۰۴)

علاوہ ازیں منتخب نثری کتابوں کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں سہ نثر ظہوری' گلستان سعدی کی شرحیں شامل ہیں' شارحین میں سراج الدین علی خان آرزو' عبدالواسع ہانسوی' ابوالبرکات منیر لاہوری' غلام علی خان آزاد بلگرامی جیسے یکتائے روزگار حضرات موجود ہیں'' (۱۰۵)

سعدی کی شہرہ آفاق گلستان (نثر) اور بوستان (نظم) دونوں فضلائے ہند کی توجہ کا مرکز رہی ہیں اور ان کے تراجم اور شرحیں ہندستان میں اردو میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ (۱۰۶) تاہم اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی شاعری ہے جس کی شرح کی ضرورت پیش آتی ہے اور لاتعداد شعرا وادبا میں سے صرف چند ہی لوگوں کی تحریروں کی شرحیں کیوں لکھی جاتی ہیں؟ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ شارحین ان شعرا کے کلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کے کلام کی تفہیم میں عام قاری کچھ دقتیں اور دشواریاں محسوس کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا:

''اکثر اوقات شرحیں مشکل گو شعراء کے کلام پر لکھی جاتی ہیں یہی سبب ہے کہ اردو کے بیشتر شارحین نے غالب اور اقبال کے کلام پر طبع آزمائی ہے۔'' (۱۰۷)

حقیقت میں اردو میں شرح نگاری کی روایت کا آغاز دیوان غالب کی شرحوں سے ہوتا ہے۔ اردو میں کلام غالب اور کلام اقبال کی شرحیں سنجیدگی سے لکھی گئیں۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ دونوں فلسفی شاعر ہیں اور ان

کے کلام میں حکمت و فلسفہ کے بیش بہا جواہر ملتے ہیں۔اس لیے انھیں مشکل پسند شاعر قرار دیا جاتا ہے۔چنانچہ غالب کے کلام کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور پھر غالب کے فوراً بعد بیسویں صدی کے ممتاز شاعر اقبال کے اردو و فارسی کلام کی شرحیں تحریر کی گئیں۔

فارسی اسالیب کی پیروی کے زیر اثر مرزا غالب نے اردو میں فارسی کے اسالیب کو استعمال کیے۔انھوں نے طرز بیدل میں فکر و فلسفہ کی آمیزش کر کے اپنی فارسی دانی کے بل پر جو اسلوب ایجاد کیا اس کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ ذہنی سطح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔تقلید بیدل میں فارسی پیرائیہ اظہار نے ان کے ہاں پوری طرح غلبہ حاصل کر لیا۔غالب نے ایسے اشعار کہہ ڈالے:

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

کرے گی فکرِ تعمیر خرابی ہائے دل گردوں
نہ نکلے خشت مثلِ استخواں بیرون ز قالب ہا

پریشانی سے مغزِ سر ہوا ہے پنبۂ بالش
خیالِ شوخیِ خوباں کو راحت آفریں پایا

شب خمارِ چشمِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
یا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

ان اشعار میں لفظی و معنوی پیچیدگی نظر آتی ہے۔فارسی الفاظ و تراکیب کا ہجوم ہے۔ان اشعار سے شعری لطافت مشکل اسلوب کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''اپنے مزاج کے عین مطابق اپنا الگ راستہ تلاش کرتے کرتے میرزا مروجہ شعری روایت کے دائرے کو توڑ کر جدید شعور کے تہذیبی دائرے میں داخل ہو گئے ...... اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود میرزا اپنے دور کے صف اول کے شاعر ہونے کے باوجود ''غریب شہر'' بن کر رہ گئے اور وہ اشعار جن پر آج ہم پھڑک اٹھتے ہیں'ان کے زمانے میں یوں دیکھے گئے جیسے زچہ تارے دیکھتی ہے۔'' (۱۰۸)

اس فارسی آمیز پیرایہ اظہار نے ان کے کلام کو معنی طلب بنا دیا۔

غالب کبھی تو معمولی مضامین کو پیچیدہ انداز میں بیان کرتے ہیں اور کبھی آسان مضمون کے گرد تشبیہات و استعارات کا ایک طلسم باندھ دیتے ہیں'بعض دفعہ تو یہ تشبیہات و استعارات سمجھ میں آ جاتے ہیں بعض دفعہ ان

میں لفظی و معنوی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جنھیں سمجھنے کے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ ضروری ہے ورنہ اشعار کے ظاہری مفہوم پر انحصار کرنا گم راہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

کلام غالب کے اپنے داخلی، خارجی اور فنی و لسانی اسباب اور غالب کے مشکل پسند نظریات کی وجہ سے ان کا کلام تفہیم طلب بن گیا، جس کو سمجھنے کے لیے شرح اور شارح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یوں شرح کا یہ عمل خود غالب کی شاعری کی تفہیم کا نقطۂ آغاز اور اردو شرح نویسی کی روایت کی بنیاد و اساس بن گیا۔

یہ بھی غالب کی انفرادیت ہے کہ ان کے کلام سے زیادہ کسی کے کلام کی قدر نہ ہوئی۔ دیوان غالب سے زیادہ کوئی دیوان نہ پڑھا گیا، نہ سمجھا گیا، نہ چھاپا گیا۔ (۱۰۹) اسی طرح ہمیں اردو شروح کے ذخیرے میں کسی اور شاعر کی شرحیں اتنی کثیر تعداد میں نظر نہیں آتیں۔ اس اعتبار سے غالب کو دیگر شعرا پر واضح تفوق حاصل ہے۔ پروفیسر حامد حسن قادری کے بقول: ''دیوان غالب کی شرحیں حشرات الارض کی طرح نکل آئی ہیں۔'' (۱۱۰)

اگرچہ پروفیسر حامد حسن قادری کے اس جملے میں شروح غالب کے باب میں کسی قدر ذم کا پہلو نکلتا ہے، لیکن شروح غالب کی کثرت کا جواز یہ ہے کہ غالب اپنے کلام کو گنجینۂ معنی کا طلسم قرار دیتا ہے اور طلسم کو جتنا کھولا جائے، معنی و مفہوم کی اتنی ہی سطحیں واضح ہوتی ہیں۔

مرزا غالب نے خود اپنے احباب اور بعض اقربا کے کہنے پر اپنے کئی اشعار کی تشریح اپنے خطوط میں کر دی تھی، ان احباب کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

قاضی عبدالجمیل جنون (۱۱۱)

محمد عبدالرزاق شاکر (۱۱۲)

شاہ کرامت حسین ہمدانی بہاری (۱۱۳)

میاں داد خان سیاح (۱۱۴)

پیارے لال آشوب (۱۱۵)

مرزا کی اس وضاحت سے کچھ مشکلات حل بھی ہو گئیں مگر مسئلہ پورے دیوان کا تھا جس کو سمجھنا اور سمجھانا آسان نہ تھا۔ اس وجہ سے دیوان غالب کی شرح کی ضرورت پیش آئی۔

غالب کے شارحین کی تعداد ناقدین و قارئین غالب کی طرح خاصی زیادہ ہے۔ ان شارحین نے غالب کو اپنے اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کی۔ کلام غالب کو آیت و حدیث سمجھا اور ایک ایک لفظ، محاورے، خیال، اسلوب کو اٹل، محکم اور مبہم سمجھ کر اس کو معنی پہنانے شروع کر دیے (۱۱۶) اور شارحین نے کلام غالب کی مشکلات کو انفرادی سطح پر ڈھونڈنے کی سعی کی۔

کلام غالب میں پوشیدہ مفاہیم کے امکانات کا سلسلہ بہت دراز ہے، جتنا غور کریں ہر دفعہ فکر و اظہار

کے نئے افق نمودار ہوتے ہیں۔شاید ہی کسی زبان کے شاعر کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ایک صدی کے مختصر عرصے میں اس کے کلام کی درجنوں شروح لکھی جا چکی ہوں۔

یادگار غالب مرزا غالب کے منتخب کلام کی شرح ہے۔جو ۱۸۹۷ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔(۱۱۷) بنیادی طور پر مرزا غالب کی سوانح ہے' لیکن حالی نے غالب کے حالات زندگی لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی آرزو کے مطابق ان کے کلام کا انتخاب بھی شامل کیا ہے۔غالب کی خصوصیات کلام پر روشنی ڈالی ہے اور بہت سے مشکل اور پہلو دار اشعار یا فقرے' شرح طلب سمجھے' ان کی جا بہ جا شرح بھی کر دی گئی ہے اور کہیں کہیں محاسنِ کلام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔سید ہاشمی فرید آبادی کے بقول:

''اگر کلام کی خصوصیات کو ناظرین کے ذہن نشین کرنا' شرح کے مقاصد میں داخل ہے' تو اس کام کو مولوی حالی صاحب مرحوم سے بہتر کسی شارح نے انجام نہیں دیا۔''(۱۱۸)

اس کے بعد گویا دیوان غالب کی شرحوں کا تانتا بندھ گیا۔شارحین' غالب کے تمام کلام ریختہ کی سطر بہ سطر اور شعر بہ شعر اس طرح شرح لکھنے بیٹھ گئے گویا ہر شعر صحیفہ آسمانی کی ایک آیت ہے اور ہر شعر کی شرح اسی عقیدت سے لازمی ہے' جس طرح کوئی مفسر ہر آیت کی تفسیر کرتا ہے۔(۱۱۹)

شارحین غالب نے اپنی اپنی بساط اور نقطۂ نظر کے مطابق دیوان کی شرح و تفسیر بیان کی۔اس طرح بعض شارحین کے ہاں بہت زیادہ اختصار و اجمال پایا جاتا ہے۔بعض کے ہاں ضرورت سے زیادہ طوالت نظر آتی ہے۔یوں کچھ علمی نوعیت اور تدریسی مقاصد کی خاطر لکھی گئی' کچھ مکمل اور کچھ نامکمل شرحیں سامنے آئیں۔ بعض لوگوں نے مرزا کے فکر و فن کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے متفرق اشعار کی شرحیں لکھیں' جنھیں مضامین کی صورت میں تحریر کیا اور یہ مضامین وقتاً فوقتاً مختلف ادبی مجلات میں شائع ہو کر قارئین کے لیے استفادے کا باعث بنتے رہے ہیں۔

ان نثری شرحوں کے علاوہ رنگوں کے ذریعے بھی دیوان غالب کی شرح کی گئی ہے(۱۲۰) رنگوں اور خطوط کے ذریعے عبدالرحمٰن چغتائی نے غالب کے خیالات اور طرزِ فکر کو پیش کیا ہے۔

گذشتہ ایک صدی کے دوران کلام غالب کی جو شرحیں' جن جن شارحین نے لکھیں' ان کی تفصیل مسلم ضیائی کے مضمون ''غالب کے اردو کلام کی شرحیں(۱۲۱) طاہر مسعود چودھری کے مضمون ''غالب کی شرحوں کا مطالعہ'(۱۲۲)' ڈاکٹر انصار اللہ کی غالب ببلو گرافی (۱۲۳) میں دیکھی جا سکتی ہے اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد ایوب شاہد کی تصنیف شارحین غالب کا تنقیدی مطالعہ(۱۲۴) اس سلسلے میں کافی مددگار ثابت ہو رہی ہے۔

کلام غالب کی شرح نویسی کے ساتھ ساتھ چند دیگر اردو شعرا کے منتخب کلام کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

جن میں میر تقی، سودا، ذوق، مومن، حالی اور اکبر شامل ہیں-کلام میر کی شرحیں لکھی جا چکی ہیں-شمس الرحمٰن فاروقی کی کلام میر کی شرح شعر شور انگیز چار جلدوں پر مبنی ہے-

شفق رام پوری نے شرح قصائد ذوق (۱۲۵) تحریر کی-ذوق کی غزلوں کی شرح بھی لکھی گئی ہے شارح شوق نام کے بزرگ ہیں-

حکیم مومن خان مومن اردو کے قادر الکلام اور منفرد غزل گو ہیں-مومن کی غزل نازک خیالی اور بلند پردازی کے لیے شہرۂ آفاق ہے-ان کی تشبیہات اور استعارات غیر معمولی ہیں-غالب کی طرح وہ بھی فارسیت کے دلدادہ ہیں-چنانچہ جس خیال کو پیش کرتے ہیں، بڑی نفاست اور نزاکت کے ساتھ اس میں مخصوص رعنائی پیدا کر دیتے ہیں-ظہیر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''وہ خیال کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ قاری کی ذہانت کے لیے اس میں تھوڑا بہت چیلنج ضرور ہوتا ہے-وہ بات کو چھپا کر ظاہر کرتے ہیں-کبھی حذف سے، کبھی پیچ سے، کبھی نقیض سے، کبھی متضاد صفتوں کو بیان کر کے، کبھی اشاروں اور رمزوں میں، کبھی کنائے استعمال کر کے، غرض مضمون ادا کرنے کا طریقہ براہ راست نہیں، اس میں کچھ نہ کچھ پیچا پیچی ضرور ہوتی ہے.....
اس مشکل پسندی کا سبب جہاں ایک طرف تقلید ناسخ ہے وہاں مذاق عام بھی ہے جو معمول کو حل کرنے اور رعایت لفظی میں لذت محسوس کرتا ہے-......صنائع بدائع کے ساتھ رعایت لفظی و معنوی کی کثرت ہے-بعید تلمیحات نے شعر کو معمہ بنا دیا ہے اور سبب کبھی ان کی مشکل پسندی ہے اور کبھی جدت پسندی'' (۱۲۶)

چنانچہ کلام مومن کی تفہیم کے لیے شرحوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے-مومن کی غزلوں اور قصائد کی شرحیں لکھی گئیں (۱۲۷) کلام مومن کی ایک شرح (۱۲۸) حامد حسن قادری نے لکھی ہے-

اکبر الٰہ آبادی کی شاعری بظاہر سادہ اور آسان ہے لیکن حقیقت میں وہ مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس پر تلمیحات نہایت کثرت سے استعمال کی گئی ہیں، جن کی تفہیم ان حالات و واقعات کے علم کے بغیر ممکن نہیں، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-کلام اکبر کی ان مشکلات کی شرح اور طلبا کی ضرورت وقت کا اہم تقاضا تھا جسے یوسف سلیم چشتی (۱۲۹) نے لکھ کر پورا کیا ہے-

اکبر الہ آبادی کے کلام کی ایک اور شرح بزم اکبر (۱۳۰) ہے-ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اکبر کے ۱۰۰ اشعار کا انتخاب مع تجزیہ و تنقید پیش کیا ہے-مختلف ادوار کی غزلیات کے اشعار پر مشتمل یہ انتخاب کسی خاص موضوع کے حوالے سے نہیں بلکہ ردیف وار الفبائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے-

خواجہ میر درد کے دیوان کی شرح خواجہ محمد شفیع دہلوی نے شائع کی ہے-شرح مختصر ہے لیکن شرح میں انھوں نے محاورات، تشبیہات، فلسفہ و تصوف کے مسائل کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے-دیگر علوم و فنون، موسیقی اور شہسواری وغیرہ کی اصطلاحات کی بھی شارح نے عمدگی سے وضاحت کی ہے-

علامہ اقبال زیادہ تر تین حیثیتوں سے ہمارے پیش نظر رہے ہیں' شاعر' مفکر اور مذہبی و سیاسی رہنما۔ علامہ کا وہ قاری جو کسی گروہی' فقہی یا سیاسی وابستگی سے ہٹ کر محض اپنے شوق سے علامہ کو سمجھنا چاہتا ہے' کثرت تعبیر کی بنا پر الجھ جاتا ہے' مثلاً شعر و شاعری کے رسیا' علامہ کی شاعری کو فضیلت دیتے ہیں' فلسفے کے ماہران کو فلسفی ثابت کرتے ہیں' جبکہ وہ لوگ جن کو سیاست کا چسکا ہے' علامہ کو سیاست میں کھینچ لے جاتے ہیں۔(۱۳۱) اقبال ایک فلسفی شاعر تھے ان کی عظمت کا راز ان کے فکر و شعر کا دل نشین امتزاج ہے۔اسی وجہ سے ادب کی دنیا میں ان کی انفرادیت قائم ہے۔انھوں نے شعر و شاعری کو اپنے خیالات و احساسات کے ابلاغ و اظہار کا ایک ذریعہ بنایا۔چنانچہ ان کے افکار و خیالات کا تقریباً تمام سرمایہ شعر میں ہے۔سید عابد علی عابد کہتے ہیں:'' حالی کی طرح اقبال نے بھی شعر کو ہر قسم کے افکار و تصورات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا اور بصراحت پڑھنے والوں کو متنبہ کیا کہ مجھے فقط شاعر نہ سمجھا جائے''(۱۳۲)

بعض لوگ اقبال کے فلسفی اور مفکر ہونے کے اتنے قائل نہیں جتنے کہ وہ ان کے شاعر ہونے کے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''اقبال ایک شاعر تھا اور شاعری اس کے لیے جزو پیغمبری تھی......جو لوگ اقبال کے کلام اور زندگی کو بحیثیت ایک شاعر کے سمجھنے کی کوشش کریں گے' وہ اسے صحیح سمجھیں گے لیکن جو لوگ اُسے بحیثیت ایک فلسفی یا سیاستدان کے سمجھنے کی کوشش کریں گے' ان کے لیے اقبال کا کلام اور اس سے زیادہ اس کی زندگی' ایک عقدہ لاینحل ہو کر رہ جائے گی۔اقبال از اول تا آخر ایک شاعر تھا''(۱۳۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

''اقبال حکیم تھے' ساز سخن'' تو ''حرف آرزو'' کے اظہار کا ایک بہانہ تھا۔جو لوگ ان کی ''نوائے پریشاں'' کو محض شاعری سمجھتے ہیں۔وہ کلام اقبال کی عظمت کے محرم نہیں۔وہ محض غزل خوانی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے تھے بلکہ ''محرم رازِ درونِ میخانہ'' تھے''(۱۳۴)

اقبال نے خود اپنے طرز کلام اور مقاصد شاعری کے متعلق کئی معنی خیز بیانات دیے ہیں۔جو ان کا مقصود حقیقی ہیں۔لکھتے ہیں:

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا......فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ہاں بعض مقاصدِ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بینی خیر ازاں مردِ فرو دست
کہ برمن تہمتِ شعر و سخن بست (۱۳۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمع نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا وقت نہیں۔مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس'' (۱۳۶)

ایک خط مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صف شعرا میں بیٹھوں'' (۱۳۷)

اقبال نہ تو خود کو شاعر تصور کرتے تھے' نہ شعر کے فنی وسائل کی طرف توجہ کی:

''اقبال نے زبان و بیان کی روایتی خوبیوں اور فنی لوازمات کی طرف کبھی سنجیدگی سے توجہ نہیں کی۔مگر اقبال کی بے نیازی کے باوجود ان کا کلام زبان و بیان کی جملہ خوبیوں سے بھرپور ہے۔انھوں نے نئی تراکیب کی ایجاد' نادر تشبیہات' استعارات' صنائع بدائع اور موزوں ردیف قوافی کے استعمال میں کمال فن کا ثبوت دیا ہے'' (۱۳۸)

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے شاعری کو پیشہ بنانے کی غرض سے نہیں سیکھا لیکن زمانہ طالب علمی سے مولوی میر حسن اور بعد میں داغ جیسے اساتذہ کی فیض تربیت کی بدولت زبان و بیان کی باریکیوں' معانی و بیان اور عروض پر پوری قدرت حاصل کر لی تھی اور ہر قسم کے تصورات کو ایک عہد آفرین شاعر کی حیثیت سے ادا کیا۔بقول سیّد عابد علی عابد:

''اقبال نے اردو کی کلاسیکی شعری روایت کے علائم و رموز اور تمام اصطلاحات سے استفادہ کیا ہے۔'' (۱۳۹)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''اقبال نے حالی کی طرح نہ صرف یہ کہ تغزل کی بہت سی علامتوں کو نئے سیاسی معنی عطا کیے بلکہ جس طرح ابو سعید ابوالخیر نے فارسی غزل کے تمام علائم و رموز کو حقائق تصوف کے ابلاغ و اظہار کے لیے استعمال کر لیا تھا' اسی طرح اقبال نے بھی اردو کی شعری روایت' خاص طور پر تغزل کے علائم و رموز کو سیاسی افکار و تصورات کی اشاعت کا ذریعہ بنا لیا'' (۱۴۰)

اقبال بنیادی طور پر ایک فلسفی شاعر تھے۔ان کی شاعری ایک مقصد لیے ہوئے تھی۔ اقبال نے انسان کی شخصی تعیین یا عرفان نفس کے لیے ایک مربوط اور منظم فلسفہ دیا جسے عام طور پر ''خودی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اپنے افکار کی بلند عمارت ''خودی'' کے مفہوم پر استوار کی۔ جسے ان کی فکر کا حاصل کہا جا سکتا ہے۔ان کے چند اساسی تصورات اسی پر مشتمل ہیں' جنھیں مختلف ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے۔خودی و بیخودی' عقل و عشق' موت و حیات' فقر' ابلیس' جبر و قدر اور تصوف وغیرہ اور شاعری کو انھی تصورات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ ان تصورات کا آپس میں نظم و ضبط ہے اور وہ ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں اور اپنے پس منظر اور پیش منظر کے ذریعے قارئین کو سامان بصارت و بصیرت کے ساتھ دعوت فکر بھی دیتے ہیں۔لہٰذا ان تمام امور و مسائل کے تمہیدی پہلوؤں سے واقف ہونا اور ان کی توضیح و تشریح نہایت ضروری ہے۔ جب ان کی بنیادی فکر کو ذہن میں رکھا جائے تو تمام اشعار کے رشتہ و پیوند کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔ ورنہ ارباب علم و نظر کے سوا قارئین کے بیشتر

طبقات، کلام اقبال کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اقبال درحقیقت خواص وعلما کے غور و فکر کے لیے ہے۔ اس کی تشریح وتعبیر کے بغیر عوام اس سے مستفید نہیں ہو سکتے ۔ضرورت ہے کہ ان کے ان افکار کو سمجھا جائے اور زندگی بنانے، اس کی گتھیوں کے سلجھانے اور اسے نئے نصب العین دینے میں ان افکار سے جو روشنی ملتی ہے، اُسے حاصل کیا جائے۔

کلام اقبال فنی خوبیوں اور شعری محاسن سے مالا مال ہے۔ اقبال نے اپنے شعری سفر میں نئی نئی تشبیہات اور استعارات کا بکثرت استعمال کیا ہے اور بڑی چابکدستی سے ان سے کسب فیض کیا ہے۔

کلام اقبال کا تشبیہات واستعارات کی رمز آفرین کائنات میں، ان تہذیبی وتاریخی روایات واقدار کا بھی ہلکا سا عکس نظر آتا ہے، جو ماضی کی ایک چبھن بن کر آج ہمارے لیے ایک لمحۂ فکریہ فراہم کرتے ہیں۔ ہماری فہم وفراست کو نچوڑتے اور مشک کا سراغ لگانے کی دعوت دیتے ہیں۔ (۱۴۱) جب تک ان کا تاریخی وتہذیبی حوالے سے مطالعہ نہ کیا جائے، قاری ان کی دلکش لطافتوں کے قریب نہیں پہنچ سکیں گے۔

مزید برآں اقبال نے اپنے کلام کو بے پناہ معنویت سے متصف کرنے کے لیے قرآن، احادیث، تاریخ اسلام، تاریخ مذاہب عالم، مشرقی ومغربی ادبیات، سیاسیات، فلسفہ، تصوف اور دیگر شعبہ جات سے تلمیحات واشارات سے استعمال کیے اور اسے ہر مکتبِ فکر و نظر کے فرد کے لیے پر کشش بنادیا۔ بقول ڈاکٹر عبدالمغنی:

> ''ان کے کلام کے فنی اسرار ورموز کا بہت بڑا حصہ تلمیحات ہی کے اشارات پر مشتمل ہے۔ قدیم وجدید تاریخ اور علوم وفنون کے پورے ذخیرے کو انھوں نے کھنگال ڈالا ہے۔ واقعات وحوادث اور ایجادات وانکشافات کی بہت ساری اداؤں کو انھوں نے نقوش کلام بنادیا ہے...... یہی وجہ ہے کہ اقبال کے اشعار میں نظریہ وفلسفہ، واقعہ وحادثہ، ایجاد وانکشاف سب کچھ اس طرح کھپ جاتا ہے، جس طرح غذا جزو بدن ہو جاتی ہے۔'' (۱۴۲)

عام اور مشہور تلمیحات جو دوسرے شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے کو ان کے سمجھنے اور ان کی اصلیت معلوم کرنے میں دشواری نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے بعض کی تشریح لغات میں مل جاتی ہے اور بعض کو کتب تاریخ میں تلاش کیا جاسکتا ہے لیکن اقبال کی اسلامی اور تاریخی تلمیحات کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے اسلامی کتب، قرآن اور حدیث کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ جس کی طرف موجودہ دور کا نوجوان طبقہ متوجہ نہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ اقبال کی تلمیحات کی مناسب تشریح کردی جائے تاکہ تعلیم ودعوت کے ذریعے انھوں نے خفتہ مسلمان قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے، وہ حقیقت ناشناس لوگوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ شارح کے لیے ضروری ہے کہ قرآنی آیات، احادیث اور تاریخی واقعات کی تشریح ووضاحت کردے۔

اگرچہ اقبال کا مقصد کلام کو صنائع بدائع کے زیور سے آراستہ کرنا نہیں تھا۔ بایں ہمہ صنائع بدائع لفظی و معنوی کی تمام اقسام کا وافر ذخیرہ کلام اقبال میں موجود ہے۔ یہ صنائع بدائع بعض اشعار میں بڑی بے تکلفی سے

استعمال ہوئے ہیں اور بالکل محسوس نہیں ہوتا کہ اقبال نے انھیں ارادۃً یا قصداً استعمال کیا ہے-''بلاغت کی کتابوں میں صنائع بدائع لفظی اور معنوی کی تقریباً جتنی قسمیں دی گئی ہیں، وہ تمام کی تمام اقبال کے کلام میں اس طرح موجود ہیں، جس طرح بدن میں جان''(۱۴۳)

پروفیسر نذیر احمد نے کلام اقبال میں موجود صنائع و بدائع لفظی کی ۱۳۶ اقسام اور صنائع و بدائع معنوی کی ۳۴ اقسام کی نشان دہی کی ہے-(۱۴۴) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلامِ اقبال میں فنی وسیلے سے کس کثرت سے کام لیا گیا ہے-

اقبال کی متعدد نظمیں، اشعار، مصرعے اور تراکیب ایجاز و بلاغت کا شاہکار ہیں-قدیم وجدید تاریخ کے طویل ادوار، علوم وفنون، واقعات، روایات، حوادث، ایجادات و انکشافات کی تفصیلات اور مختلف شخصیات کی خصوصیات کو نہایت بلیغ انداز میں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے-انہوں نے تاریخی واقعات کو استعارات میں بدل دیا اور حقائق و روایات کو تلمیحات و علامات کی شکل عطا کر دی-شاعرانہ ایجاز و بلاغت کے جس کمال کا ثبوت دیا ہے وہ دنیائے ادب میں ایک نادر واقعہ ہے:

ے
تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا، اس کو کیا سَر کس نے

ع چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

ے
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

ع دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں

متعدد تراکیب مثلاً پیمانہ بردارِ خستان حجاز، صیدِ زبون شہریاری، کعبۂ اربابِ فن، نقطۂ پرکارِ حق، شیشہ بازِ فرنگ، فروفالِ محمود اور عصمتِ پیر کنشت وغیرہ میں ایک جہان معنی پوشیدہ ہے-

اسی طرح انھوں نے اپنے افکار و تصورات کے اہم اور بنیادی عناصر مثلاً خودی، عشق، تصوف، فقر، مرد مومن جیسے وسیع نظریات کو کمال ایجاز و بلاغت سے شعر میں سمو دیا ہے اور پھر ایک ایک جز کو جس بلیغ اور مکمل انداز میں پیش کیا ہے دوسرے مقامات پر ایسا بیان نہیں ملتا-امت مسلمہ کے ہمہ پہلو انحطاط اور اس کی وجوہات کو جس اختصار اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ اقبال کی معجز بیانی کا ادنیٰ کرشمہ ہے-مسلمانان عالم کی موجودہ عبرت ناک حالت کا مرقع صرف ایک شعر میں اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے

مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے (۱۴۵)

وہ الفاظ کے طلسم سے ایسی تصویر بناتے ہیں کہ حقیقت جیتی جاگتی شکل میں سامنے آ جاتی ہے۔ مسلمانوں کی فتح مندی اور جرات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اور باوجود اختصار کے بے ساختگی، برجستگی اور روانی و تسلسل میں کوئی فرق نہیں آتا۔

عربی و فارسی پر قدرت کاملہ رکھنے کے باعث وہ ایسی تراکیب ایجاد کرتے ہیں کہ جو مفہوم ان چند الفاظ سے ادا ہو جاتا ہے، وہ کئی جملوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ ایسے مرکب الفاظ اقبال جس سلیقے اور لطف کے ساتھ باندھ جاتے ہیں وہ دوسروں کو نصیب نہیں۔ یہ خصوصیت غالب اور مومن کے زمانے سے عام ہوئی اور اقبال نے اس کو اس قدر مقبول بنا دیا کہ پھر سب نے اس کی تقلید میں نئی نئی ترکیبیں ایجاد کرنا شروع کر دیں لیکن عربی و فارسی سے کم علمی کی بنا پر اکثر شعرا گوناگوں غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ (۱۴۶)

انھوں نے مروجہ، فرسودہ اور جامد تراکیب کو اس طرح استعمال کیا کہ ان میں حیات نو کے آثار نظر آنے لگے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اپنے پیغام کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لیے بے شمار نئی تراکیب تخلیق کیں، جو ان کے وسیع مطالعے، تاریخ سے واقفیت اور فنی لوازم کو بروقت کام میں لانے کی بے پناہ صلاحیت کا نتیجہ ہے۔

اقبال نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کا سہارا لیا ہے۔ شاعری کی ابتدا اگرچہ اردو زبان سے ہوئی لیکن جیسے جیسے افکار و خیالات میں پختگی آتی گئی وہ اردو کی بجائے فارسی کی طرف مائل ہوتے گئے۔ شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:

......جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنا آسان نہیں اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے'' (۱۴۷)

اقبال کی ابتدائی زمانے کی شاعری میں اگرچہ کہیں کہیں فارسی تراکیب نظر آتی ہیں لیکن وہ اتنی ادق نہیں کہ ناگوار محسوس ہونے لگیں، مثلاً ہمالہ، گل رنگیں، خفتگان خاک سے استفسار، ماہِ نو، رخصت اے بزمِ جہاں، نالۂ فراق اور تصویرِ درد وغیرہ۔ ان نظموں پر فارسی کا اثر یقیناً ہے لیکن یہ نظمیں فارسیت زدہ نہیں ہیں۔ بانگ درا کے حصہ دوم اور حصہ سوم کی نظموں پر البتہ فارسی کے اثرات مقابلتاً زیادہ ہیں۔

اقبال کو فارسی سے چونکہ طبعی مناسبت تھی اور اس زبان میں کامیابی کے ساتھ اظہار خیال کرنے کا اعتماد و یقین بھی تھا۔ پھر فارسی زبان کی بعض لسانی خصوصیات یعنی سابقوں اور لاحقوں کے ذریعے فارسی میں نئی

تراکیب آسانی کے ساتھ وضع کر لی جاتی ہیں- چنانچہ اس دور میں اقبال نے اپنے فلسفے کی تشریح کے لیے بیشتر فارسی زبان کو استعمال کیا ہے اور فلسفیانہ اصطلاحات ادا کرنے کی خاطر اردو کی بجاے فارسی کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے- اسی لیے اردو کلام میں فارسی کا غالب اثر ہے-

اقبال کے ہاں زبان و الفاظ کی مشکلات سے کہیں زیادہ مضامین و معانی کی دشواریاں ہیں- حکمت' فلسفہ' سیاست' مذہب اور روحانیت سے متعلق صدہا اشارے' جابجا پیام مشرق' زبور عجم' جاوید نامہ بلکہ دیگر کتب میں موجود ہیں- ان امور و مسائل کے تمہیدی پہلوؤں سے آگاہی کے لیے فارسی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے ورنہ قارئین کلام کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں- خصوصاً وہ جو فارسی زبان و ادب سے واقف نہیں اور علامہ اقبال کے مقصد حیات اور تعلیمات کے عمیق اور اصلی مفہوم سے خاصے دور ہیں-

اقبال کے شاعرانہ کارنامے سے تو ہم قدرے واقف ہیں' مگر ان کی فارسی تخلیقات کے متعلق عام قارئین زیادہ نہیں جانتے کیوں کہ جب تک فارسی زبان کا مطالعہ نہ کیا ہو' اکثر مطالب کی خوبی اور گہرائی کی نہ تو داد دی جا سکتی ہے نہ ان اسلامی مسائل سے دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے- یہی وجہ ہے کہ خواص کو چھوڑ کر اقبال کے عام قاری کلام اقبال کی تفہیم میں دقت محسوس کرتے ہیں-

اس صورت حال کے پیشِ نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کا ہمہ گیر اور آفاقی فلسفہ ہی ان کے اردو اور خصوصاً فارسی کلام کی شرحوں کا محرک بنا ہے- کیونکہ زبان کی دیوار ہٹ جانے کے بعد ان کے فلسفے کو سمجھنے میں کچھ زیادہ رکاوٹ نہیں رہتی-

اگر چہ اقبال سے قبل اردو شاعری میں تضمین نگاری کی روایت موجود تھی مگر اقبال نے تضمین کو ایک متنوع اور مستحکم انداز بخشا- وہ اسی شاعر کے شعر کو متضمن کرتے ہیں جو ان کے کلام میں توانائی' بلند آہنگی اور وسعت پیدا کر سکے- وہ حسب ضرورت اکابر شعرا کے کلام کو اپنی شاعری میں کھپاتے ہیں- انھوں نے رومی' سعدی' حافظ' نظیری' انیسی شاملو' غنی کاشمیری' ملا عرشی' ابو طالب کلیم' فرح اللہ شوستری' فیضی' عرفی' میر رضی دانش' ملک قمی' صائب' عمادی' غالب' ذوق اور امیر مینائی کے اشعار و مصاریع کو تضمین کیا ہے- ان شعرا کا تعارف بھی قارئین اقبال کے لیے ضروری ہے-

اقبال ایک باشعور پیامبر شاعر تھے- انھوں نے بلا امتیاز قوم و ملک' فلسفہ و تصوف کی متفرق شخصیات سے اثر قبول کیا' جن میں قدیم و جدید' مشرق و مغرب اور ہر زمانے اور مقام کے حکما و مفکرین' صوفیا و شعرا اور سلاطین و ابطال شامل ہیں-

کلام اقبال میں صدہا اشخاص کا ذکر ملتا ہے- مشرق و مغرب کے مشاہیر اور مفکرین بھی ہیں' جن کا ذکر اشعار اقبال میں جابجا آتا ہے' کچھ ایسی شخصیات جن کا اقبال نے استعاراتی انداز میں یا ثانوی علامتوں کے

طور پر ذکر کیا ہے مثلاً صورت سلماں، مثل کلیم، پیر کنعان، قتیل شیوہ آذری، کشتی مسکین، جان پاک، دیوار یتیم، اولاد ابراہیم، میراث خلیل، صدق سلمانی وغیرہ غرض اقبال کی شخصیات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کلام اقبال کی تفہیم کے سلسلے میں ان مشاہیر کا مجمل تعارف از بس ضروری ہے۔ تا کہ عام مطالعہ کرنے والے حضرات ان ناموروں کے خاص اوصاف و خصائص پر غور کر سکیں۔ (۱۴۸)

ان مشاہیر کے حالات جمع کرنا ایک مشکل ترین ہے اور یہ موضوع بھی کلام اقبال کو سمجھنے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، تاہم ضروری ہے کہ شخصیت کے حالات، کردار اور افکار کا مفصل تعارف اور اقبال کے ساتھ باہمی تعلقات کو اجاگر کیا جائے۔ اس سلسلے میں اقبال کے صد سالہ جشن کے موقع پر چند کتب مرتب کی گئیں جن میں مختلف اصحاب کے لکھے ہوئے مضامین کو یکجا کیا گیا تھا، جو کسی نہ کسی شخصیت پر لکھے گئے تھے اور ان کے اور اقبال کے باہمی تعلقات کو واضح کیا گیا تھا۔ ان میں کچھ مضامین اگر چہ بہت اہم ہیں لیکن چند ہی شخصیات اور اقبال کے تعلقات تک محدود ہیں۔ ان میں معاصرین اقبال کی نظر میں۔(۱۴۹) رجال اقبال (۱۵۰)، اقبال اور مسلم مفکرین (۱۵۱)، منشورات اقبال (۱۵۲) شامل ہیں۔

کلام اقبال کے سلسلے میں جب تک ان تمام اشخاص کا تعارف اور خاص اوصاف و خصائص اور ان کی حیثیت و نوعیت بیان نہیں کی جائے گی، کلام اقبال کی پیچیدگیاں سمجھنا آسان نہ ہوگا۔

حکیم الامت نے اپنے کلام میں بار بار دنیاے اسلام کے ان مختلف شہروں کا ذکر کیا ہے۔ جو اسلام کی نہایت عظیم الشان سلطنتوں کا مرکز اور تخت گاہ رہے اور آج بھی اسلامی جاہ و جلال اور عظمت و برتری کی علامت سمجھے جاتے ہیں اگر چہ ان کا وہ دبدبہ اور رونق تو باقی نہیں رہا مگر ان کی عظمت رفتہ کی داستان اب تک باقی ہے بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> ''یہ وہ شہر ہیں جو کسی زمانہ میں اسلامی عظمت و تہذیب کے مرکز تھے۔ ان میں ہر گام پر علم و تمدن کے سرچشمے جاری تھے۔ ان کے گلی کوچوں میں شرف انسانیت کا نور برسا کرتا تھا۔'' (۱۵۳)

کلام اقبال میں کسی خاص علاقے یا مقام کا ذکر نہیں آیا بلکہ اسلامی دور کے بہت سے ممالک، بعض مقامات اور شہروں کا ذکر بار ہا آیا ہے، مثلاً جہاں آباد، دہلی، سمرقند، کابل، تبریز، روم، قرطبہ، شیراز، وادی لولاب، فلسطین، اصفہان، اندلس، بغداد، ہسپانیہ، وادی سینا، وادی ایمن، بخارا، بدخشان، حجاز، دمشق، طہران، غزنی، عراق، بھوپال، کشمیر، کنعان، نجف، نجد وغیرہ۔

بعض غیر اسلامی ملکوں اور شہروں کا تذکرہ بھی کلام اقبال میں آیا ہے۔ بعض مساجد کا ذکر بھی ملتا ہے جو اپنے جلال و جمال، عظمت و رفعت زیبائش و رعنائی، پاکیزگی و تقدس، شوکت و سطوت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انھوں نے شاعرانہ جذبات اور فکری خیالات کے ذریعے ان کی ایسی مرقع کشی کی ہے کہ ان کا وقار بڑھ گیا ہے۔

لہٰذا اشعار اقبال میں موجود ان عناصر کی وضاحت شارح کا ابتدائی فرض ہے۔

چونکہ اقبال کی شاعری میں سب سے زیادہ اہمیت پیغام کی ترسیل اور تاثیر ہی کو حاصل رہی ہے۔ چنانچہ جب ان کی طبیعت کشادگی محسوس کرتی ہے یا خیال کی رو تیز ہو جاتی ہے تو اپنے مخصوص تجربے اور انفرادی احساسات کو ظاہری شکل میں پیش کرنے کے لیے نئی نئی شعری شکلیں اور ہیئتیں استعمال کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ: ''اقبال کے ہاں شعری ہیئتوں کا بڑا تنوع ہے اور یہ تنوع مضامین مختلف کے تابع ہے'' (۱۵۴)

روایتی ہیئتوں کے تصرف کے ساتھ ساتھ ان کی طبع زاد ہیئتیں بھی جا بجا ملتی ہیں، جن میں بعض بالکل نادر ہیں اور بعض پرانی ہیئتوں کے باہمی امتزاج یا جزوی ترمیم سے تراشی گئی ہیں۔ وہ ایک ماہر فنکار کی طرح ایک نیا قالب تیار کر لیتے ہیں۔ بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز کی بعض نظمیں ہیت کے اعتبار سے تجربات کی حیثیت رکھتی ہیں، وہ بعض اوقات کسی ایک خاص نظم میں دو یا تین ہیئتوں کو جمع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان ہیئتوں کے تعارف کی ضرورت لازمی امر ہے۔

کلام اقبال کی شرح نویسی:

غالب اور اقبال ایسی نابغۂ روزگار شخصیات ہیں، جن کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جانا ہے اس لیے کہ ان کے فکر و فن اور شخصیت کی کئی جہتیں اور کئی پہلو ہیں۔ ان دونوں کی سوچ کی متنوع لہریں تشریح و توضیح اور تفسیر کا تقاضا کرتی ہیں۔ ان کے کلام کی تہہ داری اور معنویت اپنی پرتیں کھولنے کی منتظر رہتی ہے۔ مگر اقبال کو غالب پر تفوق حاصل ہے اس لیے کہ شاعر کے علاوہ علامہ کی ایک بڑی حیثیت اسلامی فکر و نظر کے داعی اور ایک مبلغ و پیامبر کی ہے۔ چنانچہ مطالعہ اقبال کے کئی اور پہلو نکل آتے ہیں اور گفتگو کی نئی راہیں سامنے آ جاتی ہیں۔ عزیز احمد لکھتے ہیں:

> ''اقبال کا کلام پڑھنے کے بعد اقبال کے اطراف میں بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے۔ رومی، نطشے، برگساں، فشطے، الجیلی، یونانی فلسفہ، اسلامی فلسفہ، قدیم ہندو فلسفہ، جدید یورپی فلسفہ، جرمن، اطالوی، انگریزی شاعری، فارسی غزل، اردو غزل۔۔ اور سب کچھ پڑھنے کے بعد پھر اقبال کو پڑھیے تو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ابھی اور بہت کچھ پڑھنا ہے'' (۱۵۵)

واقعی مطالعۂ اقبال سے ذہن کی یہی کیفیت ہوتی ہے، کبھی مذہب کی طرف، کبھی اشتراکیت کی طرف، کبھی مشرق میں تو کبھی مغرب میں۔ اقبال کو جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کی وسعت پھیلتی چلی جاتی ہے۔

یہ اقبال کی خوش نصیبی ہے کہ ان کے فکر و فن کا مطالعہ اس کثرت سے کیا گیا ہے اور انھیں نہایت بالغ نظر شارحین ملے ہیں، جنھوں نے عظمتِ اقبال کو دو چند کر دیا ہے۔ اقبال کے انتقال کو ساٹھ برس سے زائد کا عرصہ گزرا ہے، اس مدت میں کلام اقبال پر کام کرنے والے سیکڑوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں، جو کلام اقبال کی

مقبولیت کا ایک واضح ثبوت ہے۔

غالب کے بعد اقبال ایسے خوش قسمت شاعر ہیں، جن کے کلام کی سب سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ اقبال بھی مرزا غالب کی طرح ایسے شاعر تھے جن کے کلام کو سمجھنا سمجھانا ضروری خیال گیا۔ دوسرے علامہ کے اسلوب شعر اور فکر و فلسفہ کی آمیزش نے بھی کلام اقبال کو ہر سطح کے قاری کے لیے بآسانی قابلِ فہم نہیں رہنے دیا۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے بقول:

''حضرت علامہ کے کلام میں ایک خصوصیت جو بعض اوقات اشعار کی تہ تک پہنچنے میں حارج ہوتی ہے وہ ان کے تخیل کی فلسفیانہ دقت طرازیاں ہیں۔ وہ لوگ جو ان کے کلام سے لذت افروز ہونے کے متمنی ہیں اکثر مایوس ہو جاتے ہیں اور اگر کچھ سمجھتے بھی ہیں وہ حقیقت سے بہت دور ہوتا ہے۔'' (۱۵۶)

کلام اقبال کی شرح نویسی کا ایک سبب نصابی ضرورت بھی ہے کہ طلبا کی ضرورت کے پیش نظر، ان کی سہولت کی خاطر شرحیں لکھی گئیں، تاکہ درس و تدریس میں آسانی ہو۔ کلام اقبال جو تقریباً ہر سطح پر داخل نصاب کیا گیا ہے۔ اب ہمارے سکول، کالج اور یونی ورسٹی کے نصابات میں کلام اقبال کا کوئی نہ کوئی حصہ شامل ہے چنانچہ اب بچے کی دعا سے لے کر مسجد قرطبہ تک کا کلام ہر نصاب میں نظر آئے گا'' (۱۵۷)

الیف اے کے نصاب میں چند خطوط اقبال بھی شامل ہیں۔ ایم اے کی سطح پر تو اقبالیات کا ایک پورا پرچہ شامل ہے، جس میں ان کے نظریات و افکار کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اردو فارسی کلام کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ طلبا علامہ کے عمیق خیالات و افکار کو بآسانی نہیں سمجھ سکتے اور شرحوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ اس نصابی ضرورت یا طلبہ کی درسی ضرورت کی تکمیل کے لیے اقبال کے منتخب کلام کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ چنانچہ یہ ضروریات، مشکلات اور فلسفیانہ دقت طرازیاں کلام اقبال کی شرحوں کا محرک ثابت ہوئیں۔

کلام اقبال کی شرح کی ضرورت کیوں پیش آئی، ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے ایک مضمون ''تشریح و مطالعۂ اقبال'' (۱۵۸) میں کلام اقبال کی شرح نویسی کی وجوہات پر بحث کی ہے۔ ہم نے گذشتہ صفحات میں بھی کچھ اسباب کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں اقبال اپنے دل کی بات رمز و کنایہ کی زبان میں کہتے ہیں، جن سے لوگ بہت کم واقف ہو سکتے ہیں۔

علامہ نے اپنے فکر کے لیے زیادہ تر فارسی زبان کو استعمال کیا ہے جس کے جاننے والے بہت کم ہیں، نتیجتاً لوگ اقبال کی اس قسم کی شاعری اور فکر کی صحیح تفہیم سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اقبال کی زبان حکیمانہ اصطلاحوں اور ترکیبوں سے بھری ہوئی ہے پھر حکیمانہ مضامین کے لیے جو الفاظ و تراکیب علامہ نے استعمال کی ہیں وہ تشریح طلب اور دقیق ہیں۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لیے کلام اقبال بڑی حد تک ناقابلِ فہم

ہوگیا ہے۔ مطالعہ اقبال کے ضمن میں زبان اور الفاظ کی مشکلات سے کہیں زیادہ مضامین و معانی کی دشواریاں ہیں۔

کلام اقبال میں حکمت، فلسفہ، سیاست، اجتماعیات، مذہب اور روحانیت سے متعلق کئی اشارے آجاتے ہیں، مثلاً خودی کا مفہوم، جہاد، فقر، عشق، جمال اور جلال کی تعبیر، تقدیر، توحید کے معانی، جمہوریت، آمریت اور اشتراکیت کی مجمل تعریف وغیرہ۔ اگر قاری ان سے واقف نہیں ہوگا تو بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے مطالعہ اقبال میں پیش آنے والی جن مشکلات کی نشان دہی کی ہے، وہ اقبال کے کلام کی حقیقی مشکلات ہیں اور یہی کلام اقبال کی شرح کا محرک بنتی ہیں۔

اقبال کی تشریحات کے موضوع پر عبدالرحمٰن طارق (۱۵۹) اور ڈاکٹر عبدالحق (۱۶۰) نے بھی اسی طرح کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی لکھتے ہیں:

''اقبال کا فلسفیانہ کلام ان کی مخصوص اصطلاحات، موزوں اشارات اور علمی و ادبی تلمیحات سے بھرا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اسلامی اور مغربی فلسفہ کی اصطلاحات، آیات قرآنی، احادیث، مشاہیر، حکما اور علمائے سلف کے اقوال جابجا استعمال ہوئے ہیں اور کئی قسم کے علمی مسائل کے حوالے اور اشارات پائے جاتے ہیں، جن کا سمجھنا دشوار ہے۔'' (۱۶۱)

اقبال کے ناقدین اور مصنفین کے ایسے ہی خیالات و احساسات، کلام اقبال کی شرح نویسی کے لیے ایک بنیاد اور ایک پس منظر فراہم کرتے ہیں۔

یہ ایک دلچسپ اور عجب بات ہے کہ مرزا غالب کی طرح علامہ اقبال کے کلام کی شرح کا آغاز بھی خود اقبال سے ہی ہوتا ہے۔ مرزا غالب کی طرح اقبال نے بھی بعض خطوط میں اپنے کلام کے بعض حصوں کی وضاحت کی ہے۔ بعض منظومات کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

مہاراجا کشن پرشاد کے نام ایک خط میں محسن تاثیر کے ایک شعر میں لفظ ''خودی'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس میں لفظ خودی میرے خیال میں تشخصِ ذاتی کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور شعر کا مفہوم میرے خیال میں یہ ہے کہ واصل باللہ کو اپنی ذات کا احساس نہیں رہتا۔ وہاں سوائے ہستی مطلق کے اور کچھ نہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ خودی بمعنی غرور بھی یہاں سمجھا جاسکتا ہے۔ اسی واسطے میں نے غالباً کا لفظ لکھ دیا تھا۔ بہرحال جہاں جہاں یہ لفظ میں نے استعمال کیا ہے اس سے مراد تشخصِ ذاتی یا احساسِ نفس ہے۔ انگریزی لفظ Individuality کا یہ ترجمہ ہے۔ ہماری زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جہاں تک مجھے علم ہے، کوئی ایسا لفظ نہیں جو شعر میں کام دے سکے ''تشخص'' یا ''تعین'' وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کا یہ مفہوم ہے مگر یہ دونوں الفاظ کے لیے موزوں نہیں۔ ''انا'' یا ''انانیت'' بھی ایسے ہی الفاظ ہیں۔ لفظ خودی میں نے مجبوراً اختیار کیا اگر کوئی اور لفظ شعر میں کام دے سکتا تو میں اس لفظ کو خودی پر یقینی ترجیح دیتا'' (۱۶۲)

بانگ درا کی ایک غزل کے ایک شعر:

سعیِ پیہم ہے ترازوے کم و کیفِ حیات
تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

کے متعلق مولانا گرامی کو ایک خط میں لکھا:

''میرا مقصود اس شعر سے یہ ہے کہ زندگی سحر وشام کی تعداد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا معیار سعیِ پیہم ہے۔اس کو دنوں کے ترازو میں نہ تولنا چاہیے جیسا کہ عام طور پر لوگ کرتے ہیں جب کوئی پوچھے فلاں آدمی کی عمر کتنی ہے تو جواب ملتا ہے اتنے سال یا اتنے مہینے۔یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جواب ایام یعنی سحر و شام کے شمار کا نتیجہ ہے'' (۱۶۳)

بانگ درا حصہ سوم کی ایک نظم ''خضرراہ'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا گرامی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''نظم خضرراہ آپ کو پسند نہیں اور آپ کی رائے میں اس کے تمام اشعار بے لطف ہیں اور بعض غلط۔غلط اشعار کے متعلق تو میں فی الحال عرض نہیں کرتا۔آپ مجھے اغلاط سے آگاہ فرمائیں گے تو عرض کروں گا۔باقی آپ کے اعتراض کا پہلا حصہ صحیح ہے مگر یہ اعتراض گرامی کے شایان شان نہیں۔اگر کوئی اور آدمی یہ اعتراض کرتا تو مضائقہ نہ تھا۔یہ اعتراض منصور کے لیے شبلی کا پھول ہے۔آپ کو معلوم ہے کہ اس نظم کا بیشتر حصہ خضر کی زبان سے ادا ہوا ہے اور خضر کی شخصیت ایک خاص قسم کی شخصیت ہے وہ عمر دوام کی وجہ سے سب سے زیادہ تجربہ کار آدمی ہے اور تجربہ کار آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ اس کی قوت متخیلہ کم ہوتی ہے اور اس کی نظر حقائق واقعی پر جمی رہتی ہے۔اس کے کلام میں اگر تخیل کی رنگینی ہو تو وہ فرض رہنمائی کے ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔پس اس کے کلام میں پختگی اور حکمت تلاش کرنی چاہیے نہ تخیل اور خاص کر اس حالت میں جب کہ اس سے ایسے معاملات میں رہنمائی طلب کی جائے جن کا تعلق سیاسیات اور اقتصادیات سے ہو۔

قرآن شریف کی سورہ کہف پڑھیے اور حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصے کو ملاحظہ فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے خضرؑ کی اس خصوصیت کو کس خوبی سے ملحوظ رکھا ہے۔ایک سطحی نظر سے دیکھنے والا آدمی تو کشتی توڑنے اور ایک بچے کو قتل کر ڈالنے یا ایک یتیم کی دیوار کو گرا دینے میں کوئی غیر معمولی بات نہ دیکھے گا اور شعریت تو اس تمام قصے میں مطلق نہیں۔لیکن غور کرنے پر خضر کے افعال کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔خضر کی طرف جو کلام منسوب کیا جائے۔اس میں رنگینی پیدا کی جاسکتی ہے مگر وہ خضرؑ کا کلام نہ رہے گا بلکہ نظیری یا عرفی کا کلام ہوگا اور بالغ نظر اہل فن تخیل کی اس رنگینی کو بہ نگاہ استحسان نہ دیکھیں گے۔ان رموز اور اسرار کو آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔مجھے یہ یقین ہے کہ نیاز الدین خاں صاحب نے آپ کا اعتراض سمجھنے میں مزید غلطی کی ہے'' (۱۶۴)

سید سلیمان ندوی نے بھی اس نظم پر اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں:

''جوش بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا' صحیح ہے- مگر یہ نقص اس نظم کے لیے ضروری تھا...... جناب خضر کی پختہ کاری' ان کا تجربہ اور واقعات و حوادثِ عالم پر اُن کی نظر اُن سب باتوں کے علاوہ ان کا اندازِ طبیعت جو سورۂ کہف سے معلوم ہوتا ہے- اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو- اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیے اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوشِ بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے اندازِ طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا.....'' (۱۶۵)

نظم ''بوئے گل'' کے آخری شعر میں مولانا گرامی نے ترمیم کر دی' جو اقبال کو پسند نہ آئی- اس کے متعلق گرامی کو لکھتے ہیں:

''آپ کی ترمیم سے زبان کے اعتبار سے شعر بہت ستھرا ہو گیا ہے- مگر افسوس ہے کہ اس سے وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا' جو میں ادا کرنا چاہتا ہوں- میرا مطلب یہ ہے کہ وہ نازنین حور خود تو رخصت ہو گئی مگر دنیا میں اپنی آہ چھوڑ گئی ہے' جس کو لوگ خوشبو کہتے ہیں- آپ کے شعر سے مترشح ہوتا ہے ''وقت بند کشادن آہے سرداد'' لہٰذا معانی کے اعتبار سے میں اپنے ہی مطلع کو ترجیح دیتا ہوں......'' (۱۶۶)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''گرامی صاحب کے شعر میں ''یک'' نہایت موزوں ہے- ''یک نگاہ'' اور نیم خند کا مقابلہ نہایت لطیف ہے- یہ کچھ ضروری نہیں کہ صاحب الہام اپنی بلاغت سے بھی آگاہ ہو- اگر گرامی صاحب کے خیال میں وہ معانی نہ تھے تو کچھ مضائقہ نہیں- ان کے الفاظ میں تو موجود ہیں-'' (۱۶۷)

خان نیاز الدین خان کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

''تختۂ گل کوئی محاورہ نہیں- تختۂ گل سے تختۂ گل ہی مراد ہے- مقصود یہ ہے کہ جبینِ سجدہ ریز کی وجہ سے دیر کی راہ تختۂ گل بن گئی ہے- فارسی والے سجدے کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں'' (۱۶۸)

محمد احمد خان کے نام ایک خط میں بعض الفاظ کی بڑی عمدہ وضاحت کی ہے- (۱۶۹) اکبر الہ آبادی کے نام ایک خط (۱۷۰) میں تصوف پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے- اکبر ہی کے نام ایک اور خط (۱۷۱) میں ''بے خودی'' کی اقسام پر روشنی ڈالی ہے- سید سلیمان ندوی کے نام بعض خطوط میں بعض الفاظ و اشعار کی وضاحت کی ہے-(۱۷۲)

میاں بشیر احمد نے علامہ سے بال جبریل کے ایک شعر

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے تین سو سال پیچھے نگاہ دوڑائی تو شہنشاہ جہانگیر کی بے خوری نظر آئی - میں حیران ہوا کہ اس کے کیا معنی ہیں- انھوں نے فرمایا کہ یہ اشارہ ہے شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کی طرف'' (۱۷۳)

روزگار فقیر جلد دوم میں فقیر سید وحید الدین نے بھرتری ہری کے ایک شعر کے ترجمے کا ذکر کیا ہے- (۱۷۴)

بانگ درا کے مندرجہ ذیل شعر:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

کی وضاحت خود اقبال نے کی- (۱۷۵)

چنانچہ اس لحاظ سے خود علامہ اپنے کلام کے پہلے شارح ہیں-

اقبال کے باقاعدہ شارحین کی فہرست میں بہت سے نام آتے ہیں- ان میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر عارف بٹالوی، نشتر جالندھری، آقا ے رازی، ڈاکٹر محمد باقر، نریش کمار شاد، عبدالرشید فاضل، غلام احمد پرویز، فیض محمد فیض لودھیانوی، الٰہی بخش اعوان، شیریں تاج، سید اصغر علی شاہ جعفری، آقا بیدار بخت، ڈاکٹر شفیق احمد، اسرار زیدی، ڈاکٹر اے ڈی نسیم اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا شامل ہیں- ان میں سے چشتی، مولانا مہر، نشتر جالندھری، ڈاکٹر محمد باقر اور نریش کمار شاد نے کلام غالب کی شرح بھی لکھی ہے-

شارحین اقبال میں سے چشتی، مولانا مہر، عارف بٹالوی، پرویز، اسرار زیدی اور اے ڈی نسیم ایسے شارحین ہیں جنھوں نے علامہ اقبال کے ایک سے زائد شعری مجموعوں کی شرحیں لکھی ہیں- یہ شرحیں زیادہ تر درسی ضروریات کے تحت لکھی گئی ہیں-

یوسف سلیم چشتی کلام اقبال کے اولین شارح ہیں، انھوں نے علامہ کے تمام شعری مجموعوں اردو اور فارسی کی شروح لکھی ہیں- جن کی تفصیل آگے آئے گی اور ان کی شرح نویسی کے محاسن اور خامیوں پر بحث کی جائے گی-

دوسرا اہم نام مولانا غلام رسول مہر کا ہے- انھوں نے علامہ کے تین اردو مجموعوں بانگ درا (۱۷۶)، بال جبریل (۱۷۷)، ضرب کلیم (۱۷۸) اور ایک فارسی مجموعے اسرار و رموز کی شرح (۱۷۹) لکھی ہے-

عارف بٹالوی نے بھی مولانا غلام رسول مہر کی طرح بانگ درا (۱۸۰)، بال جبریل (۱۸۱) اور ضرب کلیم (۱۸۲) کی شرحیں لکھی ہیں-

اسرار زیدی، ڈاکٹر الف د نسیم اور غلام جیلانی مخدوم کا نام اقبال کے شارحین میں نیا ہے- انھوں نے

یوسف سلیم چشتی کی طرح علامہ کے تمام شعری مجموعوں اردو اور فارسی کی شرحیں وتراجم باہم اشتراک سے لکھے ہیں۔جو شرح کلیات اقبال (اردو) (۱۸۳) اور شرح کلیات اقبال (فارسی) کے نام سے شائع ہوئی ہیں' (۱۸۴) یہ تراجم وشرحیں الگ الگ مجموعوں کی شرحوں کی صورت میں بھی دستیاب ہیں۔

دیگر شارحین میں سے ڈاکٹر محمد باقر (۱۸۵)' آقاے رازی (۱۸۶)' نریش کمار شاد (۱۸۷)' اور ڈاکٹر شفیق احمد (۱۸۸) نے بانگ درا کی شرح لکھی ہے۔ اس کا کچھ حصہ خواجہ محمد زکریا نے تحریر کیا ہے۔عبدالرشید فاضل (۱۸۹) نشتر جالندھری (۱۹۰) اور فیض محمد فیض لودھیانوی (۱۹۱) اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بال جبریل کی شرحیں لکھی ہیں۔(اُمید ہے یہ شرح جلد شائع ہو جائے گی۔)

اسرارِ خودی کی شرح سید اصغر علی شاہ جعفری (۱۹۲) شیریں تاج (۱۹۳) اور اسرار ورموز کی پرویز (۱۹۴) نے تحریر کی ہیں۔الٰہی بخش اعوان (۱۹۵) اور پرویز (۱۹۶) نے پس چہ باید کرد کی شرح لکھی ہے۔آقاے بیدار بخت (۱۹۷) نے ارمغان حجاز (فارسی) کی شرح لکھی ہے۔

کلام اقبال کے شارحین کی ایک دوسری نوعیت بھی ہے' جو باقاعدہ تو نہیں لیکن ضمنی طور پر شارحین کے زمرے میں لائے جا سکتے ہیں۔جن کی تنقیدی کتابوں میں علامہ کے نثری وشعری آثار میں پائی جانے والی تراکیب' تلمیحات' اسماالرجال اور مقامات وامکنہ وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے اور اقبال کی مرکزی فکریات کے مطابق تشریح طلب مقامات کو واضح کیا گیا ہے۔ان کتابوں میں اقبال کے اشعار کی تشریحات کا حصہ غالب ہے۔ان میں ڈاکٹر یوسف حسین خان کی روح اقبال' سید عابد علی عابد کی شعر اقبال اور ڈاکٹر عبدالمغنی کی اقبال کا نظام فن شامل ہیں۔ان تصانیف کی مدد سے اقبال کے فلسفہ وشعر کی قابلِ قدر وضاحتیں سامنے آتی ہیں۔ان میں تخلیقی پس منظر' ذہنی محرکات' سماجی تصورات' شعری صنائع پر بھی روشنی ملتی ہے۔لیکن یہ صرف متفرق اشعار یا منظومات کی تشریحات ہیں' کسی مجموعۂ کلام کی نہیں شرحیں ہیں۔

شارحین اقبال کی ایک اور نوع بھی ہے' جس کا تعلق تعبیر وتجزیے سے ہے۔اقبال کی بہت سی نظموں کے تجزیے کیے گئے ہیں اور بعض نظموں کے تو کئی ایک تجزیے ملتے ہیں۔خصوصاً طویل نظمیں جو "اپنی گوناگوں فکری اور فنی خصوصیات کی بنا پر اقبالیات کے قارئین کے لیے باعث کشش ثابت ہوتی ہیں...... ہر طویل نظم میں اقبال نے اپنے افکار کے بہترین عناصر یکجا کر دیے ہیں اور فن کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی ہے۔" (۱۹۸)

ان کے معانی ومفاہیم کی وضاحت کے سلسلے میں وافر تشریحاتی ادب سامنے آیا۔شارحین نے فنی اور شعری تجزیے پیش کیے' تخلیقی منظر اور معانی کی شرح وتفسیر پر مفید مباحث پیش کیں۔مثلاً سید ابوالحسن علی ندوی نے نقوش اقبال (۱۹۹) میں مشہور نظموں کا تجزیہ متن میں شامل کیا ہے۔ان مختصر تجزیوں میں مولانا نے

اسلامی اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ اقبال کے پیغام اور تعلیمی روح کی شرح و وضاحت کی ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد نے اقبال ایک مطالعہ (۲۰۰) کے آخری حصے میں اہم نظموں کے فکر و فن کی تشریح کی ہے۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے اقبال کی تیرہ نظمیں (۲۰۱) اور اقبال کی منتخب غزلیں اور نظمیں (۲۰۲) میں اقبال کی معروف نظموں کے فکر و فلسفہ اور شعر و فن کی شرح کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کی اقبال کا نظام فن (۲۰۳) کا بیشتر حصہ نظموں کی شرح پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اقبال کی طویل نظمیں میں طویل نظموں کی بڑے وقیع انداز میں تنقید و تشریح کی ہے۔ بقول ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ''انھوں نے ہر نظم کا پس منظر، پیش منظر اور فنی تجزیہ بڑی وضاحت اور جامعیت سے تحریر کیا ہے...... جو اقبالیات کے طلبا کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے...... ان کی نظر ان نظموں کے تمام پہلوؤں پر پڑی ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا...... انھوں نے ان نظموں کو صحیح تناظر میں پیش کیا ہے۔'' (۲۰۴)

ان مستقل تصانیف کے علاوہ بیش تر مصنفین نے اقبال کی ان نظموں پر تبصرہ و تجزیہ کر کے اقبالیات کی شرح و تفسیر کا بے مثال سرمایہ تخلیق کیا ہے، جس سے اقبال فہمی میں اضافے کے ساتھ کلامِ اقبال کی شرح و تفسیر کو توسیع ملی ہے۔

مختلف اصحاب نے اقبال کے مختلف اشعار کی شرح بھی لکھی ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے شرح صد شعر اقبال (اردو) (۲۰۵) اور شرح صد شعر اقبال (فارسی) (۲۰۶) میں اقبال کے اشعار کی تشریح کی ہے۔ صلاح الدین احمد نے اقبال کے دس شعر (۲۰۷) کی وضاحت کی ہے۔

آخر میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ مقالہ، تشریحاتِ اقبال کی ان تمام اقسام سے بحث نہیں کرتا، بلکہ اس کا موضوع صرف ان کتابوں کا مطالعہ ہے، جو بطور شرحِ کلام لکھی گئیں۔ آیندہ صفحات میں ان پر بحث کی جائے گی۔

حوالے

۱- سیداحمد دہلوی،فرہنگ آصفیہ (جلددوم)،ص ۱۸۰

۲- قرآن مجید، ص ۹۴: ۳۰

۳- خواجہ عبدالمجید،جامع اللغات (جلددوم)، ص۱۳۲

۴- سیداحمد دہلوی،فرہنگ آصفیہ (جلددوم)، ص ۱۷۳

۵- نورالحسن نیر کاکوروی،نوراللغات (جلدسوم)، ص ۳۶۷

۶- محمد عبداللہ خان خویشگی، فرہنگ عامرہ، ص ۳۶۷

۷- ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (جلدششم)، ص ۳۷۸

۸- شان الحق حقی،فرہنگ تلفظ، ص۲۶۰

9- Alam Spooner, The Oxford School *The saurus*, p. 182

10- Staingass,*Persion English Dictionary* p. 740

11- Bashir Ahmad *Standard Dictionary* Urdu into English, p. 402

۱۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد۱۱)، ص ۶۶۷

۱۳- فضل الٰہی عارف،فرہنگ کارواں، ص۴۷۰

۱۴- اردو لغت (تاریخی اصول پر) (جلددوازدہم)، ص۵۴۳

۱۵- وارث سرہندی،علمی اردو لغت، ص۹۵۱

۱۶- ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی، شعر شور انگیز (جلددوم)، ص ۴۰

۱۷- ڈاکٹر جمیل جالبی،نئی تنقید، ص ۲۴۸

۱۸- عبدالسعید،شرحیات بحیثیت مکالمہ ایک تعبیر، مشمولہ شب خون نومبر دسمبر ۱۹۹۴ء شمارہ ۱۷۸، ص ۴۹

۱۹- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،اقبال کا ادبی مقام، ص۱۲۴، ۱۲۵

۲۰- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد۶)، ص۵۳۲

۲۱- شمس الرحمٰن فاروقی،شعر شور انگیز (جلدسوم)، ص۲۵

۲۲- غالب نامہ، جولائی ۹۱ء، ص۷۳، ۷۴

۲۳- شمس الرحمٰن فاروقی' شعر شور انگیز (جلد چہارم)' ص ۱۳
۲۴- عقیل احمد صدیقی' "تعبیر اور تنقید" مشمولہ شب خون' جنوری ۱۹۹۵ء' ص ۴۶
۲۵- شمس الرحمٰن فاروقی' شعر شور انگیز (جلد دوم)' ص ۵۹
۲۶- عقیل احمد صدیقی' تعبیر اور تنقید' مشمولہ شب خون جنوری ۱۹۹۵' ص ۵۲
۲۷- شمس الرحمٰن فاروقی' شعر شور انگیز (جلد چہارم)' ص ۶۸
۲۸- ایضاً' ص ۲۳۲
۲۹- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا' اقبال کا ادبی مقام' ص ۱۲۴
۳۰- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۱/۱۴)' ص ۲۰۲
۳۱- ایضاً' (جلد ۶) ص ۵۳۲
۳۲- احمد حسن زیات' تاریخ ادب عربی' ص ۵۹۰
۳۳- مقبول بیگ بدخشانی' ادب نامہ ایران' ص ۵۴
۳۴- عقیل احمد صدیقی' "تعبیر اور تنقید" مشمولہ شب خون' جنوری ۱۹۹۵ء' ص ۴۶
۳۵- ایضاً' ص ۴۶
۳۶- میر امن' باغ و بہار' (مرتبہ: رشید حسن خاں)' ص ۱۰
۳۷- ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی' روایات اقبال' ص ۴۱
۳۸- شیخ عطاء اللہ' اقبال نامہ (حصہ اول)' ص ۱۱۶
۳۹- ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر' اقبال کا فکر و فن (مرتبہ: افضل حق قریشی)' ص ۲۱۹
۴۰- ڈاکٹر نثار احمد قریشی' علامہ اقبال صوفی تبسم کی نظر میں' ص ۱۴
۴۱- یوسف سلیم چشتی' شرح تلمیحات و شرح مشکلات اکبر' ص ۴۲۴
۴۲- شمس الرحمٰن فاروقی' شعر شور انگیز (جلد چہارم)' ص ۱۹
۴۳- ایضاً' (جلد سوم)' ص ۷۵
۴۴- ایضاً' (جلد سوم)' ص ۷۶
۴۵- بیان غالب' مکتبہ عالیہ لاہور' ۱۹۹۷ء
۴۶- مفہوم غالب' مکتبہ میری لائبریری لاہور' ۱۹۶۹ء
۴۷- ڈاکٹر عبدالحق' فکر اقبال کی سر گزشت' ص ۸۶
۴۸- چودھری مظفر حسین' اقبال کے زرعی افکار' ص ۷۷

۴۹- ڈاکٹر محمد ایوب شاہد دیوانِ غالب کی شرحیں، مشمولہ قومی زبان، فروری ۱۹۸۹ء ص ۳۰

۵۰- ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، محاسن کلام غالب، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۸۳ء

۵۱- آغا محمد باقر، بیان غالب، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۷ء

۵۲- آغا محمد باقر، بیان غالب، ص ۷۴

۵۳- مشمولہ رسالہ آج کل، دہلی، ستمبر ۱۹۶۰ء

۵۴- اثر لکھنوی، مزامیر (جلد اول، دوم) دہلی، ۱۹۴۷ء

۵۵- شمس الرحمٰن فاروقی، شعر شور انگیز (جلد چہارم)، ص ۱۷

۵۶- یوسف سلیم چشتی، تعلیمات اقبال، ص ۱۹

۵۷- ایضاً، شرح ضرب کلیم، ص ۱۴۱

۵۸- مولانا غلام رسول مہر، مطالب اسرار و رموز، ص ۴۲

۵۹- طفیل دارا، رموز غالب، علمی کتاب خانہ لاہور، ۱۹۷۰ء

۶۰- ڈاکٹر عبدالحق، فکر اقبال کی سر گذشت، ص ۹۰

۶۱- اردو لغت (تاریخی اصول پر) (جلد پنجم)، ص ۳۵۰

۶۲- علامہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن (ترجمہ: محمد حلیم انصاری)، (جلد دوم)، ص ۵۹۵

۶۳- عقیل احمد صدیقی، تعبیر اور تنقید، مشمولہ شب خون شمارہ ۱۷۹، جنوری ۱۹۹۵ء، ص ۴۶

۶۴- ڈاکٹر ابو محمد سحر، مرتب: انتخاب قصائد اردو، نسیم بکڈپو لکھنؤ، ۱۹۸۹ء

۶۵- پروفیسر سید مسعود حسین رضوی ادیب (مرتب)، روح انیس، الادب لاہور، ۱۹۷۹ء

۶۶- شیخ محمد ابراہیم ذوق، کلیات ذوق اردو (مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی) مکتبہ شعر و ادب لاہور، ۱۹۸۸ء

۶۷- ابوالکلام آزاد: نقش آزاد، (مرتبہ: غلام رسول مہر) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، جنوری ۱۹۶۸ء

۶۸- مولانا ابوالکلام آزاد، خطبات آزاد (مرتبہ: مالک رام) جواد پبلشرز لاہور، س ن

۶۹- سر سید احمد خان، آثار الصنادید (مرتبہ: خلیق انجم) (جلد دوم)، اردو اکادمی دلی، ۱۹۹۰ء

۷۰- ایضاً، ۱۹۹۰ء

۷۱- پروفیسر نذیر احمد، متون کی تصحیح و تنقید میں تخریج اور تعلیقات کی اہمیت، مشمولہ غالب نامۂ جنوری ۱۹۷۸ء ص ۲۱۴، ۲۱۵

۷۲- محمد عبداللہ قریشی، (مرتب)، اقبال بنام شاد، ص ۶۰

۷۳- ڈاکٹر سلطان محمود حسین، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۷ء

۷۴- شریف احمد قریشی' فرہنگ نظیر' ص ۱۰

۷۵- مقبول انور داؤدی' مطالب اقبال' فیروز سنز لاہور' س ن

۷۶- سید عابد علی عابد' تلمیحات اقبال' بزم اقبال لاہور' ۱۹۸۵ء

۷۷- ڈاکٹر اکبر حسین قریشی' مطالعۂ تلمیحات و اشارات اقبال' اقبال اکادمی پاکستان لاہور' ۱۹۸۶ء

۷۸- نسیم امروہوی' فرہنگ اقبال' ص: ز

۷۹- اردو دائرہ معارف اسلامیہ' (جلد ۶)' ص ۵۳۱-۵۳۵

۸۰- مولانا عبدالحق حقانی' مقدمہ تفسیر حقانی' ص ۷

۸۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۳)' ص ۲۳۹

۸۲- ایضاً' (جلد ۸)' ص ۵۶۱

۸۳- ایضاً' (جلد ۶)' ص ۱۲۵

۸۴- احمد حسن زیات' تاریخ ادب عربی' (ترجمہ: عبدالرحمٰن طاہر سورتی)' ص ۴۲۶-۵۹۰

۸۵- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۱)' ص ۸۶۴

۸۶- احمد حسن زیات' تاریخ ادب عربی' ص ۴۲۲

۸۷- اُردو دائرہ معارف اسلامیہ' ۶' ص ۱۲۶

۸۸- احمد حسن زیات' تاریخ ادب عربی' ص ۵۹۰

۸۹- حاجی خلیفہ' کشف الظنون (حصہ دوم) ص ۱۳۳۲- ۱۳۳۶'

۹۰- مقبول بیگ بدخشانی' ادب نامہ ایران' ص ۱۲

۹۱- ڈاکٹر محسن جہانگیری' محی الدین ابن عربی' حیات و آثار (مترجم: احمد جاوید' سہیل عمر)' ص ۳۰۱
مزید تفصیل کے لیے ایضاً' ۵۹۰-۵۹۵

۹۲- رسالہ الفجر' ص ۶۰

۹۳- تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند' (تیسری جلد' فارسی ادب' حصہ اول)' ص ۱۱۹

۹۴- مقبول بیگ بدخشانی' ادب نامہ ایران' ص ۴۳۵

۹۵- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۷)' ص ۳۲۶

۹۶- ناشر محمد رمضانی دار بدہ کلالہ خاور انتشارات پدیدہ تہران' ۱۳۶۳ھ

۹۷- انتشارات اسلامی' ناصر خسرو تہران' ۱۳۸۳ھ

۹۸- ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان' ۱۴۱۱ھ

۹۹- شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۱۰۰- تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند (جلد ۵ ' فارسی ادب' حصہ دوم) 'ص ۴۰۰

۱۰۱- ایضاً ' (جلد ۵ ' فارسی ادب' حصہ سوم) 'ص ۵۸۷ ' ۵۸۸

۱۰۲- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا' اقبال کا ادبی مقام 'ص ۱۲۳

۱۰۳- ایضاً 'ص ۱۲۳

۱۰۴- علی رضا نقوی' فکر و نظر' دسمبر ۱۹۸۳ء 'ص ۵۵

۱۰۵- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا' اقبال کا ادبی مقام 'ص ۱۲۳

۱۰۶- ایضاً ' ۱۲۵

۱۰۷- ایضاً 'ص ۱۲۳

۱۰۸- ڈاکٹر جمیل جالبی' نئی تنقید 'ص ۲۱۷ ' ۲۱۸

۱۰۹- پروفیسر حامد حسن قادری' نقد و نظر 'ص ۱۱

۱۱۰- ایضاً 'ص ۴۹

۱۱۱- غلام رسول مہر (مرتب) خطوط غالب' (جلد دوم) 'ص ۲۳ ' ۲۹' ۷۲' ۷۷۹

۱۱۲- ایضاً 'ص ۷۴۸

۱۱۳- ایضاً 'ص ۸۷۹ ' ۸۸۰

۱۱۴- ایضاً 'ص ۶۶۷

۱۱۵- ایضاً 'ص ۸۲۲ ' ۸۲۳

۱۱۶- پروفیسر حامد حسن قادری' نقد و نظر 'ص ۱۲

۱۱۷- الطاف حسین حالی' یادگار غالب 'ص ۵۹۷

۱۱۸- ہاشمی فرید آبادی' کلام غالب (اردو) کی شرحیں' 'مشمولہ غالب نام آور 'ص ۴۰۰' ۴۰۱

۱۱۹- خلیفہ عبدالحکیم' افکار غالب 'ص ۱۹' ۱۸

۱۲۰- محمد عبدالرحمٰن چغتائی' دیوان غالب مصور ' جہانگیر بک ڈپو لاہور' ۱۹۳۸ء

۱۲۱- مشمولہ ماہ نو لاہور' فروری ۱۹۷۰ء

۱۲۲- مشمولہ شام و سحر لاہور' جنوری فروری ۱۹۸۸ء 'ص ۱۷ تا ۲۵

۱۲۳- محمد انصار اللہ' غالب ببلو گرافی ' علی گڑھ یونی ورسٹی علی گڑھ' ۱۹۷۲ء

۱۲۴- ڈاکٹر محمد ایوب شاہد، شارحین غالب کا تنقیدی مطالعہ " (جلد اول، دوم)، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۸ء
۱۲۵- شفق رام پوری، شرح قصائد ذوق، مبارک علی تاجر کتب لاہور، س ن
۱۲۶- ظہیر احمد صدیقی، مومن شخصیت اور فن ص ۶۵، ۶۶
۱۲۷- ڈاکٹر عبدالحق، فکر اقبال کی سر گذشت، ص ۸۳
۱۲۸- حامد حسن قادری، انتخاب دیوان مومن مع شرح و تنقید'' ص ۲۰۸
۱۲۹- یوسف سلیم چشتی، شرح تلمیحات و شرح مشکلات اکبر، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۶۹ء
۱۳۰- ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، بزم اکبر، سنگ میل لاہور، ۱۹۹۲ء
۱۳۱- ڈاکٹر سعد اللہ کلیم، اقبال کے مشبہ و مستعار منہ، ص ۶
۱۳۲- سید عابد علی عابد، شعر اقبال، ص ۶۱
۱۳۳- عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، ص ۱۸۴
۱۳۴- ڈاکٹر سید عبداللہ، مسائل اقبال، ص ۱۶
۱۳۵- مکتوب بنام سید سلیمان ندوی، اقبال نامہ، (حصہ اول)، ص ۱۹۵
۱۳۶- ایضاً، ص ۱۹۵
۱۳۷- اقبال نامہ، (حصہ دوم)، ص ۳۶۷
۱۳۸- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۸۲
۱۳۹- سید عابد علی عابد، شعر اقبال، ص ۳۵
۱۴۰- ایضاً، ص ۵۲
۱۴۱- قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی، شعریات اقبال، ص ۲۳۳
۱۴۲- ڈاکٹر عبدالمغنی، تنویر اقبال، ص ۱۱۸
۱۴۳- پروفیسر نذیر احمد، اقبال کے صنائع بدائع، ص ۴۰
۱۴۴- ایضاً
۱۴۵- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۲۰۸
۱۴۶- محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال، ص ۲۱۲
۱۴۷- علامہ محمد اقبال، بانگ درا، (دیباچہ از شیخ عبدالقادر)، ص ۱۶

۱۴۸- ڈاکٹر سید عبداللہ'مسائل اقبال' ص ۱۸

۱۴۹- سید وقار عظیم (مرتب) معاصرین اقبال کی نظر میں' مجلس ترقی ادب لاہور' ۱۹۷۳ء

۱۵۰- عبدالروف عروج (مرتب) رجال اقبال' نفیس اکیڈمی کراچی' ۱۹۸۸ء

۱۵۱- ڈاکٹر ملک حسن اختر' اقبال اور مسلم مفکرین' ۱۹۹۲ء

۱۵۲- منشورات اقبال' بزم اقبال لاہور' ۱۹۸۸ء

۱۵۳- ڈاکٹر سید عبداللہ' مسائل اقبال' ص ۲۰

۱۵۴- ایضاً' ص ۲۸۷

۱۵۵- عزیز احمد' اقبال نئی تشکیل' ص ۳۷۷

۱۵۶- سید وقار عظیم' اقبال معاصرین کی نظر میں' ص ۲۴۱

۱۵۷- ڈاکٹر عبدالحق' فکر اقبال کی سر گذشت' ص ۸۵

۱۵۸- ڈاکٹر سید عبداللہ' مسائل اقبال' ص ۱۱-۳۱

۱۵۹- عبدالرحمٰن طارق' اشارات اقبال' ص ۹-۱۲

۱۶۰- ڈاکٹر عبدالحق' اقبال کے ابتدائی افکار' ص ۱۰۸

۱۶۱- قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی' اقبالیات کا تنقیدی جائزہ' ص ۸۹

۱۶۲- اقبال بنام شاد' لاہور' ۲۴ جون ۱۹۱۶ء' ص ۳۷۵' ۳۷۶

۱۶۳- محمد عبداللہ قریشی (مرتب) مکاتیب اقبال بنام گرامی' ۷ مئی ۱۹۱۷ء' ص ۳۳۶

۱۶۴- ایضاً' ۲۶۳-۲۶۵

۱۶۵- خط بنام سید سلیمان ندوی ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء' مشمولہ کلیات مکاتیب اقبال (جلد دوم' مرتبہ: سید مظفر حسین برنی)' ص ۲۶۸' ۲۶۹

۱۶۶- محمد عبداللہ قریشی (مرتب) مکاتیب اقبال بنام گرامی' ص ۳۵۹

۱۶۷- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان' ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۹ء

۱۶۸- ایضاً' ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء' ص ۲۸-۲۹

۱۶۹- بشیر احمد ڈار' انوار اقبال' ص ۱۳۹' ۱۴۰

۱۷۰- اقبال نامہ' (حصہ اول) ۱۱ جون ۱۹۱۸ء' ص ۵۰۹-۵۱۲

۱۷۱- ایضاً' ۲۰ جولائی' ص ۵۱۵-۵۱۷

۱۷۲- ایضاً' ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۸ء' ص ۵۳۴'۵۳۵

۱۷۳- ڈاکٹر رحیم بخش شاہین' اوراق گم گشتہ' ص ۴۸'۴۹

۱۷۴- فقیر سید وحید الدین' روز گار فقیر' دوسرا ایڈیشن' ص ۱۶۱

۱۷۵- بشیر احمد ڈار (مرتب) انوار اقبال' ص ۳۳'۳۴

۱۷۶- مطالب بانگ درا' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' س ن

۱۷۷- مطالب بال جبریل' کتاب منزل لاہور' ۱۹۵۶ء

۱۷۸- مطالب ضرب کلیم' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' ۱۹۵۶ء

۱۷۹- مطالب اسرار و رموز' ایضاً' ۱۹۶۰ء

۱۸۰- شرح بانگ درا' نیو بک پیلس لاہور' ۱۹۷۸ء

۱۸۱- شرح بال جبریل' ایضاً' س ن

۱۸۲- شرح ضرب کلیم' ایضاً' س ن

۱۸۳- شیخ بشیر اینڈ سنز لاہور

۱۸۴- ایضاً

۱۸۵- شرح بانگ درا' تاج بک ڈپو لاہور' ۱۹۵۱ء

۱۸۶- شرح بانگ درا' ایم فرمان علی بک سیلرز لاہور' س ن

۱۸۷- شرح بانگ درا' مشورہ بک ڈپو دہلی' س ن

۱۸۸- شرح بانگ درا' پاپولر پبلشنگ ہاؤس لاہور' ۱۹۹۰ء

۱۸۹- شرح بانگ درا' ادارہ تنویرات علم و ادب کراچی' ۱۹۷۰ء

۱۹۰- موج سلسبیل شرح بال جبریل' حاجی فرمان علی اینڈ سنز لاہور' س ن

۱۹۱- لذت پرواز' شرح بال جبریل' آزاد بک ڈپو لاہور' ۱۹۹۴ء

۱۹۲- شرح اسرار خودی' نیو بک پیلس لاہور' ۱۹۷۸ء

۱۹۳- نوائی خودی (شرح و ترجمہ اسرار خودی) فیروز سنز پشاور' س ن'

۱۹۴- مجلس اقبال شرح مثنوی اسرار خودی و رموز بے خودی' طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور' ۱۹۹۶ء

۱۹۵- ترجمہ و شرح پس چہ باید کرد......مع مسافر' یونی ورسٹی بک ایجنسی پشاور' ۱۹۶۰ء

۱۹۶- مجلس اقبال' شرح مثنوی پس چہ باید کرد' طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور' ۱۹۹۷ء

۱۹۷- ماورائے مجاز' شرح ارمغان حجاز' ملک نذیر احمد تاج بک ڈپو لاہور' س ن

۱۹۸- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی' اقبال کی طویل نظمیں' ص ۸'۷

۱۹۹- مجلسِ نشریات اسلام کراچی' ۱۹۸۳ء

۲۰۰- کلیم الدین احمد' اقبال ایک مطالعہ' کریسنٹ کواپریٹو سوسائٹی گیا' ۱۹۷۹ء

۲۰۱- اسلوب احمد انصاری' اقبال کی تیرہ نظمیں' مجلس ترقی ادب لاہور' ۱۹۷۷ء

۲۰۲- ایضاً' اقبال کی منتخب نظمیں اور غزلیں' غالب اکیڈمی نئی دہلی' ۱۹۹۴ء

۲۰۳- اقبال اکادمی پاکستان لاہور' طبع ثانی' ۱۹۹۰ء' ص ۵۱۷

۲۰۴- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی' اقبال کی طویل نظمیں' ص ۸

۲۰۵- مرکزی اردو بورڈ لاہور' ۱۹۷۷ء

۲۰۶- اقبال اکادمی پاکستان لاہور

۲۰۷- آئینۂ ادب لاہور' ۱۹۶۹ء

باب دوم

بانگِ درا کی شرحیں

- محرکاتِ شرح نویسی
- زمانۂ تحریر
- کتب تشریحات کے مقدمے
- طریق شرح نویسی
  - تمہیدات، پس منظر، تعارف
  - تفصیل یا اجمال
  - مشکل الفاظ و تراکیب
  - اصطلاحات و تلمیحات
  - شخصیات، مقامات
  - تضمینات
  - واقعات
  - ماقبل شارحین سے استفادہ
  - تسامحات
- شارحینِ بانگِ درا کا اسلوب شرح نویسی (مجموعی جائزہ)

بانگ درا علامہ اقبال کی سب سے پہلی اردو شعری تصنیف ہے جو پہلی بار ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی -بعد ازاں متعدد بار چھپی-اشاعت اور مقبولیت کے اعتبار سے یہ شعری مجموعہ علامہ کی تصانیف میں سرفہرست ہے اور مختلف تعلیمی درجوں میں اس کے منتخب حصے شامل نصاب ہیں-

بانگِ درا کی اب تک کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں-زمانی ترتیب سے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

یوسف سلیم چشتی	شرح بانگِ درا	عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۵۱ء ۵۷۶ص
مولانا غلام رسول مہر	مطالب بانگِ درا	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور س ن ۲۳۵ ص
ڈاکٹر محمد باقر	شرح بانگِ درا	تاج بک ڈپو لاہور ۱۹۵۱ء ۵۲۰ص
آقاے رازی	شرح بانگِ درا	ایم فرمان علی بک سیلرز لاہور س ن ۴۰۹ص
عارف بٹالوی	شرح بانگِ درا	نیو بک پیلس لاہور ۱۹۷۸ء ۳۲۰ص
ڈاکٹر شفیق احمد +		
ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا	شرح بانگِ درا	پاپولر پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۹۰ء ۴۱۰ص
اسرار زیدی	شرح بانگِ درا	شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور س ن ۳۴۳ص
نریش کمار شاد	آواز اقبال (شرح بانگِ درا)	مشورہ بک ڈپو دہلی س ن ۲۱۶ص

❖ محرکات شرح نویسی

بانگِ درا کی شرحوں کا مقصد تالیف یا محرک تحریر کیا تھا؟

چشتی کی شرح بانگِ درا کے مقصدِ تالیف کا اندازہ شارح کے بعض جملوں سے ہوتا ہے مثلاً لکھتے ہیں:

۱- طلبا اور شائقین کی سہولت کے (۱)

۲- طلبا کی ضروریات کو پورا کرنے (۲)

۳- اقبال کا سارا فلسفہ طلبا اور اساتذہ دونوں کے لیے (۳)

۴- طلبا کی سہولت کی خاطر (۴)

۵- طلبا اور ناظرین کی آگاہی کے لیے (۵)

۶- طلبا کی سہولت کے لیے (۶)

گویا شارح نے شرح بانگ درا طلبا، اساتذہ، شائقین اور ناظرین کی سہولت و آگاہی کے لیے تحریر کی